ہفت روزہ
الفتح
کراچی

۲۳-۳۰ نومبر ۱۹۷۲ء

چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اُٹھا کے چلے

قیمت :— ۷۵ پیسے
ہوائی ڈاک سے :— ایک روپیہ








حرفِ سپاس

احمد رئیس

یہ التفات، یہ احساں، یہ پیار کا انداز
کہ دل میں پھول سے کھلنے لگے ہیں زخموں کے
مگر زباں پہ شکایت، نہ آنکھ میں آنسو
دعائیں دیتا ہوں یارو سلام کرتا ہوں
کہ تم نے رشتۂ الفت کو داغدار کیا
وفا کے دامنِ رنگیں کو تار تار کیا
بڑا کرم کہ سرِ بزم سنگسار کیا
تمہارے ہاتھوں کو چوموں میں تم کو پیار کروں
قریب آؤ کہ تم پر یہ جاں نثار کروں
چلاؤ تیر کوئی اور سنگ پھر پھینکو!
میں منتظر ہوں حسین تازہ سانحے کے لئے
ابھی یہ سر بھی سلامت ہے، تن بھی باقی ہے
میرا جمال، میرا بانکپن بھی باقی ہے

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

مدیر
وہاب صدیقی

۲۳-۳۰ نومبر ۱۹۷۲ء

قیمت : ——— ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے : ——— ایک روپیہ

جلد :- ۳ شمارہ :- ۲۸

اداریہ

پاکستان، چین اور بنگلہ دیش

صدر بھٹو نے سرحد کی عوامی رابطہ مہم کے دوران اعلان کیا ہے کہ عوامی جمہوریۂ چین نے پاکستان کی درخواست پر بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے بارے میں ویٹو استعمال کیا اور جب تک بھارت پاکستان کے جنگی قیدی واپس نہیں کرتا عظیم چین ہر بار بنگلہ دیش کو اقوامِ متحدہ کا رکن بنانے کی قرار داد کو ویٹو کرتا رہے گا۔

صدر بھٹو کے اس غیر مبہم اور واضح اعلان کے بعد کم از کم اندرونِ ملک ان افراد کو منہ کی کھانا پڑی ہے جو اب تک یہ پراپیگنڈہ کر رہے تھے کہ پاکستان تو بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا چاہتا ہے مگر چین نے ویٹو کر کے اس کے پلان کو سبوتاژ کر دیا ہے۔ اب تک جنگی قیدی واپس آجاتے اور برصغیر میں امن قائم ہو جاتا۔ دراصل چین یہ نہیں چاہتا۔ اور اسی لئے اقوامِ متحدہ میں ویٹو کا حق استعمال کر رہا ہے۔ اس پراپیگنڈہ میں پاکستان پیپلز پارٹی کا وہ ٹولہ بھی شامل ہے جنھیں کمیونسٹوں کے خوف سے رات بھر نیند نہیں آتی۔ اور بالفرض محال کسی کی آنکھ لگ بھی جاتی ہے تو وہ کمیونسٹ، کمیونسٹ چیختا ہوا اٹھ جاتا ہے

چین پاکستان کا نہ صرف قابلِ اعتماد دوست ہے بلکہ اس نے ہر آڑے وقت میں پاکستان کے عوام کا ساتھ دیا، اور بعض موقعوں پر اپنی آزادی اور سالمیت کو بھی پاکستانی عوام کی دوستی کی خاطر خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ چین اور پاکستان کی دوستی، اصولوں پر مبنی ہے۔ عوامی جمہوریہ چین کی حکومت اور عوام پاکستان کی امداد اصولوں کی بنیاد پر کر رہے ہے۔ ان کے نزدیک بنگلہ دیش اقوامِ متحدہ کا رکن اسی صورت میں بن سکتا ہے جب کہ وہ اقوامِ متحدہ کی قرار دادوں پر عمل کرے۔ ان میں بنگلہ دیش سے بھارتی فوجوں کا انخلاء اور جنگی قیدیوں کی واپسی شامل ہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے اندرونی تضادات کا نتیجہ ہے کہ جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور

خاص مضامین

سرورق : انور سمیع

فون :- ۴۱۲۲۷۴

ارشاد راؤ پبلشر نے حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ الفتح - ۸۷ ڈی، نرسری کمرشل ایریا پی ای سی ایچ ایس کراچی ۲۹ سے شائع کیا

نوکر شاہی کے ترجمانوں پر مشتمل ایک ٹولہ اپنی ہی پارٹی کے مخلص، بےلوث، دیانتدار، مزدور کسان، طالب علم، دانشور اور محروم طبقات کے نمائندہ کارکنوں کے خلاف مہم میں اس حد تک آگے بڑھ جاتا ہے کہ وہ سوشلزم دشمنی کی رو میں چین جیسے عظیم دوست کو بھی معاف نہیں کرتا۔ اس کا مؤقف یہ ہے کہ امریکہ سے امداد اسی صورت میں مل سکتی ہے کہ ہم یہ ثابت کر دیں کہ پاکستان پیپلز پارٹی سوشلزم سے منحرف ہو گئی ہے اور وہ سوشلسٹوں کو ختم کرنے کا عملی ثبوت فراہم کر رہی ہے اور اسی بنیاد پر جس طرح امریکہ میں میکارتھی ازم پھیلایا گیا تھا، پاکستان میں بھی اس کی ضرورت ہے۔

صدر بھٹو نے ان مؤقع پرستوں کا پول کھول دیا ہے کہ پاکستان کا سچا اور پکا دوست چین اور اس کے عظیم عوام ہیں اب یہ خود اندازہ لگائیں کہ وہ کہاں کھڑے ہوئے ہیں۔



ببیناملیٹڈ ورکرز یونین کے جنرل سیکرٹری فرید خان، حسین ٹیکسٹائل ورکرز یونین کے جوائنٹ سیکرٹری عجب گل، آفس سیکرٹری امان اللہ آدم جی کاٹن ملز کے جوائنٹ سیکرٹری بدرالدین کو "مزدور دوست" حکومت کے دور میں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں پہنا کر سٹی کورٹ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔

احوالِ واقعی

پارٹی پر حکومت کی اجارہ داری سے مخلص کارکن بیزار ہو گئے

کنونشن میں

حکومت اور پیپلز پارٹی کے درمیان تصادم ہوگا

واقفِ حال

پیپلز پارٹی ان دنوں کنونشن کی تیاریاں کر رہی ہے۔

پرانی تے اصل پیپلز پارٹی اور نئی پیپلز پارٹی کے اختلافات ابھر کر سامنے آرہے ہیں۔

توقع ہے کہ کنونشن میں حکومت اور پیپلز پارٹی کے درمیان زبردست تصادم ہوگا۔

"الفتح" پیپلز پارٹی کے برسرِاقتدار آنے بلکہ الیکشن جیتنے کے وقت سے لکھتا آرہا ہے کہ پیپلز پارٹی کے انتخابات منعقد کیے جائیں۔ از سرِ نو تنظیم کی جائے کیونکہ الیکشن جیتنے تک جو تنظیم تھی، وہ خاصی کمزور تھی اور ملک کے حالات بھی ایسے نہیں تھے کہ پیپلز پارٹی اپنی اچھی طرح سے تنظیم کر سکتی۔ عوام نے الیکشن میں پیپلز پارٹی کو خلافِ توقع بہت زیادہ حمایت دی اور بھاری اکثریت سے منتخب کیا۔ اس کے بعد ملک ایسے حالات سے گذرتا رہا، جو واقعی بحران تھا۔ اور پیپلز پارٹی کی اعلیٰ کمان کو ان حالات کا بہانہ کر کے اپنی نئی تنظیم نہ کرنے کا موقع ملتا رہا اور وہ بار بار یہی کہتے رہے کہ ملک کے حالات ٹھیک ہوں گے تو پیپلز پارٹی کے انتخابات منعقد کیے جائیں گے، لیکن ملک کے حالات حتنے کر بدستور خراب ہوتے رہے۔

مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی کے سلسلے میں پیپلز پارٹی میں تضادِ رائے پیدا ہوا اور پیپلز پارٹی کوئی متفقہ رائے قائم نہ کر سکی۔ فروری ۱۹۷۱ء میں اگرچہ پیپلز پارٹی کے پارلیمانی کنونشن نے چیئرمین بھٹو کو مکمل اختیارات دے دیئے تھے کہ وہ جو چاہیں فیصلہ کریں۔ لیکن جب مارچ ۱۹۷۱ء میں ان کے مجیب اور یحییٰ سے مذاکرات ہو رہے تھے تو پیپلز پارٹی کے بہت سے مقتدر رہنماؤں کو ان مذاکرات کے سلسلے میں اعتماد میں نہیں لیا گیا تھا۔ جب بھٹو صاحب مشرقی پاکستان سے لوٹے اور جب فوجی کاروائی شروع ہو چکی تھی، اس وقت انہوں نے کہا تھا "خدا کا شکر ہے کہ پاکستان بچ گیا"۔ پیپلز پارٹی کے بائیں بازو نے اس وقت بھی فوجی کاروائی کے ذریعے پاکستان بچنے پر تنقید کی تھی۔ یہی متضاد رائے مشرقی پاکستان میں ضمنی انتخابات کے دنوں میں بھی پایا گیا تھا۔ معراج محمد خان اور ان کے ساتھیوں نے تو ان انتخابات کے لئے مشرقی پاکستان جانے سے انکار کر دیا تھا۔ بعد میں خود چیئرمین بھٹو نے ان انتخابات میں ملنے والی سیٹوں کو ریوڑیاں قرار دیا۔ لیکن ان انتخابات میں پانچ چھ سیٹیں حاصل کر ہی لی تھیں۔ جب وہ برسرِ اقتدار آئے تو انہوں نے اپنی پہلی نشری تقریر میں ہی ان انتخابات کو کالعدم قرار دیا تھا۔ انتخابات کے بعد سے لے کر برسرِ اقتدار آنے تک یہ اختلافات پنجاب اور سندھ کی پیپلز پارٹی میں بڑھتے رہے اور واضح طور پر گروپ ابھرتے رہے۔ ان گروہوں کی بنیاد دراصل طبقاتی ہی تھی۔ لیکن بعض لوگ ذاتی رقابتوں کی وجہ سے بھی گروپ بدلتے رہے۔

کراچی میں عبدالحفیظ پیرزادہ اور معراج محمد خان کے اختلافات کی بنیاد طبقاتی ہی تھا۔ طالب علم مزدور، غریب کارکن معراج محمد خاں کے ساتھ رہا۔ امیر کارکن، زمیندار اور سرمایہ دار پیرزادہ کے گرد جمع ہوتے رہے سندھ میں یہ تفریق پہلے میر رسول بخش تالپور اور مخدوم آف ہالہ کے درمیان تھی۔ میر رسول بخش تالپور چھوٹے موٹے زمیندار ضرور ہیں مگر جاگیردار نہیں ہیں۔ سندھ کے غریب ہاری اور مزدور میر رسول بخش تالپور کے ساتھ تھے۔ زمیندار مخدوم صاحب کے گرد جمع ہوتے رہے پنجاب میں یہ تفریق شیخ محمد رشید اور غلام مصطفےٰ کھر کے درمیان تھی۔ شیخ محمد رشید پرانے کسان رہنما ہیں۔ کسان تحریکیں چلائیں۔ کسانوں اور مزدوروں کے حقوق کے لئے کام کیا، غلام مصطفےٰ کھر کی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے کنونشن مسلم لیگ سے بھٹو صاحب کے ساتھ ہی الگ ہوئے تھے۔ اور ان کے معتمد ساتھی تھے۔ بھٹو صاحب نے ایک مرتبہ کھر اور معراج کو اپنا جانشین قرار دے کر کھر کو بھی امتیازی حیثیت بخشی تھی۔ پنجاب کے کارکنوں کی خواہش تھی کہ شیخ رشید پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنائے جائیں۔ لیکن پیپلز پارٹی کی اعلیٰ کمان، جاگیرداروں کی لابی شروع سے کھر صاحب کو وزیر اعلیٰ بنانے کی فکر میں تھی۔ اس پر پنجاب میں خاصی صف آرائی ہوئی۔

پیپلز پارٹی کی اعلیٰ کمان میں سے سب سے زیادہ پراسرار شخصیت جے اے رحیم صاحب کی تھی جو سوشلزم کے بڑے دعویدار بنتے ہیں۔ خیال تھا کہ وہ سیکرٹری جنرل بننے پر ہی اکتفا کریں گے، لیکن انہوں نے وزارت کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور اسے کسی صورت نہ چھوڑا۔

برسرِ اقتدار آنے کے بعد صدر بھٹو نے حکومت کو اسی طرح چلانا چاہا جیسے پارٹی کو چلا رہے تھے۔ حالانکہ اس میں بنیادی طور پر فرق تھا۔ انہوں نے پارٹی کی تنظیم بھی نہیں کی، اور وزیروں کی نامزدگی کے لیے پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کا اجلاس بلانا بھی ضروری خیال نہیں کیا بلکہ اپنے دوستوں احباب کو وزارتیں سونپیں اور ایسے لوگوں کو جو کارکنوں میں مقبول تھے، ایسی وزارتیں دے دی جو ان کا منہ بند کرنے کے لیے کافی تھیں۔ پنجاب کے مقبول عوام رہنما شیخ رشید کو وزارتِ صحت دے دی گئی۔ معراج محمد خان کو وزیرِ مملکت عوامی امور بنا دیا گیا —— سندھ میں ایک نئی شخصیت ممتاز علی بھٹو کو سامنے لایا گیا —— اور یوں سندھ میں تضاد میر رسول بخش تالپور اور مخدوم طالب المولیٰ کی بجائے میر رسول بخش تالپور اور ممتاز علی بھٹو کے درمیان پیدا ہوگیا۔

وزارتوں کی تقسیم میں دوست نوازی اپنی جگہ، لیکن یہ بھی خیال نہ کیا گیا کہ اپنے اپنے تجربے کے مطابق وزارتیں نہ دی گئیں۔ کارکنوں کو بالکل نظر انداز کیا گیا۔ اس کے علاوہ پارٹی بھی کمزور کر دی گئی۔ پارٹی کا ڈھانچہ بالکل بگڑ کر ہو گیا کسی علاقے سے جس شخص کو وزیر یا گورنر مقرر کیا گیا وہ اس علاقے میں پیپلز پارٹی کا سربراہ بھی بن گیا۔ اور

پیپلز پارٹی کے اصل عہدیدار بے اثر ہو گئے۔ پارٹی کے کارکنوں میں جو بددلی پھیلی۔ اس کا اظہار "الفتح" کے صفحات میں کیا جاتا رہا ہے اور "الفتح" کے قارئین نے بھی ان کی نشاندہی کی۔

بالآخر اب جب پیپلز پارٹی کا کنونشن ہو رہا ہے، کارکنوں کا یہ خیال ہے کہ پارٹی کے اس کنونشن میں انہیں اور کچھ نہیں دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع تو ملے گا۔ آپس کے اختلافات اور وزراء کی زیادتیوں، ناانصافیوں، بدعنوانیوں کے خلاف آواز بلند کرنے کا موقع ملے گا۔ اس سلسلے میں صوبائی اور ضلعی سطحوں پر جو کنونشن منعقد ہوئے وہاں میں کارکنوں اور عہدیداروں نے کھلم کھلا حکومت پر تنقید کی اور پارٹی پر حکومت کی اجارہ داری کے خلاف آوازیں بلند کیں۔ پنجاب میں شیخ رشید کے حامی ۱۲ نومبر کو جہلم میں اجلاس منعقد کر رہے ہیں۔ جس میں فیصلہ کیا جائے گا کہ کنونشن میں کس طرح حصہ لیا جائے، میاں محمود علی قصوری کا حلقہ بھی اپنے طور پر تیاریاں کر رہا ہے۔ ادھر حکومتی پارٹی کے عہدیدار اور غلام مصطفےٰ کھر کے حلقہ بگوش یہ کہہ رہے ہیں کہ شیخ رشید کا گروپ اختلافات کو ہوا دے رہا ہے۔ انھیں کنونشن میں حصہ نہ لینے دیا جائے۔ گورنر کھر اور ان کے ساتھیوں نے اس عرصے میں اپنے پاؤں جمانے کی بہت کوشش کی ہے۔ پنجاب میں آج کل ویسے ملک معراج خالد اور ملک غلام مصطفےٰ کھر کے درمیان کشمکش ہے۔ لیکن ملک معراج خالد خاموش طبیعت انسان ہیں۔ وہ اس لئے اس کشمکش میں کھل کر سامنے نہیں آ رہے ہیں۔ پنجاب سے دائیں بازو کی نمائندگی ایک اور شخصیت مولانا کوثر نیازی بھی کر رہے ہیں۔ لیکن مولانا کوثر نیازی اور ملک غلام مصطفےٰ کھر کی آپس میں لگتی ہے، جس کی وجہ ذاتی ہے نظریاتی نہیں ہے۔ مرکز میں مولانا کوثر نیازی اور جے۔ اے رحیم کی لگتی ہے۔ کیونکہ مولانا کوثر نیازی پارٹی کے سیکرٹری جنرل بننا چاہتے ہیں۔ آخر بھٹو صاحب بھی تو ایوب خان کی کنونشن مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل تھے۔ اس طرح مولانا کوثر نیازی اور عبدالحفیظ پیرزادہ کی بھی آپس میں لگتی ہے۔ اس کی وجوہ بھی ذاتی ہیں۔ نظریاتی نہیں۔

کراچی میں معراج محمد خان اگرچہ عہدیدار نہیں رہے، لیکن وزارت سے استعفیٰ کے بعد وہ کراچی میں ہی مقیم ہیں۔ ان کے کارکن پھر ان کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ طارق عزیز بھی آج کل کراچی آئے ہوتے ہیں۔ انہوں نے کراچی میں پیپلز پارٹی کے لئے بہت کام کیا ہے۔ اب اگرچہ پارٹی کے صدر عبدالستار گبول وزیر محنت ہیں۔ اور کراچی کی کمیٹی کے عہدیدار بالکل نئے نئے ہیں جن کا یہاں کی پارٹی میں کوئی کام نہیں ہے۔ کراچی سے جانے والے ۱۰۵ کارکن، جے۔ اے رحیم نے نامزد کئے ہیں، لیکن ان میں پھر بھی ناراض کارکنوں کی خاصی تعداد ہے، جو بھٹو صاحب سے کھل کر بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔

سندھ پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے تو اور بھی انقلابی رویہ اختیار کر لیا، حال ہی میں کراچی میں ان کا جو اجلاس ہوا، اس میں انھوں نے وزیر اعلیٰ اور دوسرے وزیروں پر بڑی سخت تنقید کی اور کہا کہ اب کنونشن پارٹی کا ہے، اس لئے اس میں حکومت کی بالادستی نہیں ہونی چاہیئے۔ انھوں نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ حکومت کو صرف پچاس نشستوں کا کوٹہ دیا جائے گا۔ باقی پانچ سو سیٹیں، پارٹی کے عہدیدار نامزد کریں گے۔ انہوں نے حکومت کو باقاعدہ دھمکی دی ہے کہ اگر پارٹی کی تنظیم کو یہ اختیارات نہ دیئے گئے تو وزیروں کو انکے علاقے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

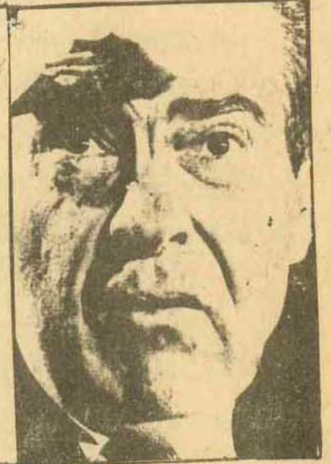
ایسے حالات میں پیپلز پارٹی کا کنونشن ہو رہا ہے۔ کنونشن کا انعقاد بہرحال غنیمت ہے۔ اگر اس میں کارکنوں کے بولنے پر پابندی نہ لگائی گئی اور انھیں کھل کر اظہار خیال کا موقع دیا گیا، تو وزیروں اور گورنروں کا کچا چٹھہ سامنے آ جائے گا۔ اور پارٹی کے کارکن حکومتی افراد کو آئینہ دکھائیں گے۔ وزراء کرام اور گورنر صاحبان بھی اس خطرے سے آگاہ ہیں، اس لئے وہ بھی پہلے سے جوابی کارروائی کا اہتمام کر رہے ہیں۔ ان دنوں سب گروہوں کی سرگرمیاں زوروں پر ہیں۔ اور تمام کارکن اور رہنما سرگرم عمل ہیں۔



۱۲ر نومبر کو شہری کمیٹی کراچی کے زیرِ اہتمام صدر میں مزدوروں کی حمایت میں مظاہرہ کیا گیا - تصویر میں معراج محمد خان سابق وزیر مملکت برائے عوامی امور بینر لئے کھڑے ہیں -

امریکہ کے صدارتی انتخابات

نکسن نے میک گورن کے تمام ہتھیار چھین لئے



وھاب صدّیقی

نکسن بھاری اکثریت سے دوبارہ چار سال کے لیے امریکہ کے صدر منتخب ہو گئے، نکسن نے جو ریپبلکن پارٹی کے امیدوار تھے، اپنے حریف میک گورن کو اتنی بھاری اکثریت سے شکست دی، جس کی مثال امریکی تاریخ میں نہیں ملتی ۔ نکسن نے ۶۰٫۷ فیصد یعنی چار کروڑ، چار لاکھ ۸۸ ہزار ووٹ حاصل کئے، جب کہ میک گورن کو ۳۷٫۷ فیصد یعنی دو کروڑ، ۴۲ لاکھ ووٹ ملے ۔ صدر نکسن کو ۵۲۱ الیکٹرول ووٹ ملے اور ۴۹ ریاستوں میں برتری حاصل کی حتیٰ کہ میک گورن کی ریاست الاباما اور ڈیموکریٹک پارٹی کی گڑھ ریاستوں ٹیکساس اور نیویارک میں بھی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے ۔ جب کہ میک گورن نے صرف ۱۷ الیکٹرول ووٹ حاصل کئے ۔ البتہ کانگریس اور سینٹ میں ڈیموکریٹک پارٹی نے نمایاں اکثریت حاصل کی، کانگریس میں ڈیموکریٹک پارٹی کو ۲۵۵ اور ریپبلکن پارٹی کو ۱۷۷ نشستیں ملیں ۔ سینیٹ میں ڈیموکریٹک پارٹی کے پاس ۵۷ اور ریپبلکن پارٹی کے پاس ۴۳ نشستیں ہیں ۔

حقیقت یہ ہے کہ صدر نکسن کی کامیابی اتنی متوقع تھی کہ امریکی عوام میں صدارتی انتخابات کا کوئی چرچا ہی نہیں تھا ۔ اس مرتبہ انتخابات کے دوران وہ جوش و خروش نظر نہیں آیا جو امریکہ کے صدارتی انتخابی مہم کا خاصا ہے،

میک گورن نے اپنی انتخابی مہم کے دوران جس نقطے پر سب سے زیادہ زور دیا وہ ویت نام میں جنگ بندی کے بارے میں تھا، انہوں نے اعلان کیا کہ وہ صدر بنتے ہی ویت نام میں جنگ بند کر دینگے اور امریکی فوجیں واپس بلوالیں گے، اسی نعرے نے میک گورن کو نوجوانوں اور طلبہ میں مقبولیت بخشی ۱۸ سے ۲۱ سال کے نوجوانوں میں میک گورن بہت مقبول تھے ۔ ان نوجوانوں کی تعداد ڈھائی کروڑ تھی ۔ اور رائے دہندگان میں ان کا تناسب ۲۰ فی صد تھا، میک گورن کو "سیاہ فاموں" کی بھی حمایت حاصل تھی جو آبادی کا ۹ فیصد ہیں ۔

لیکن نکسن نے سیاست سے کام لیتے ہوئے ویت نام میں جنگ بندی کے مسئلہ پر پہل کر دی ۔ ۸ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو اپنے مشیر ہنری کسنگر کو ویت نام بھیجا، جہاں انہوں نے شمالی ویت نام کے رہنماؤں سے خفیہ مذاکرات کئے اور ویت نام میں عارضی طور پر جنگ بند ہو گئی ۔ نکسن کے اس اقدام نے میک گورن سے اس کا موثر اور مضبوط ترین حربہ چھین لیا ۔ وہ رائے دہندگان جو محض ویت نام میں امریکی مسلح جارحیت کی وجہ سے نکسن کے مخالف تھے، نکسن کے حامی ہو گئے ۔ نوجوانوں کی بھی ایک بھاری تعداد نکسن کی حمایت کرنے لگی ۔

نکسن کی کامیابی کی دوسری وجہ امریکہ کے یہودی ہیں ۔ ہفت روزہ "ٹائمز" کے مطابق اس مرتبہ یہودیوں کے ۴۰ فیصد ووٹ نکسن کو ملے ۔ جب کہ ۱۹۶۸ء کے انتخابات میں نکسن کو یہودیوں کے صرف ۱۵ فیصد ووٹ ملے تھے، اس کی وجہ اسرائیل کو نکسن حکومت کی بھرپور مالی اور مادی امداد ہے ۔ صدر نکسن نے ہمیشہ عربوں کے جائز حقوق کی مخالفت کی اور اسرائیل کے توسیع پسندانہ منصوبوں کی حمایت کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، اس کے علاوہ سرمایہ دار یہودی جو امریکہ کے بڑے بڑے صنعتی اور تجارتی اداروں پر قابض ہیں ۔

میک گورن کے معاشی پروگرام سے اتفاق نہیں کرتے تھے، ملازم پیشہ اور درمیانہ طبقہ کے یہودی بھی میک گورن کے خلاف تھے، کیونکہ میک گورن نے اپنی انتخابی مہم کے دوران اقلیتوں کے لئے سرکاری ملازمتوں میں کوٹہ مقرر کرنے پر زور دیا تھا ۔ امریکہ میں اس وقت سرکاری ملازمتوں میں کوٹہ کا نظام رائج نہیں ہے ۔ یہودی اپنی آبادی کے تناسب سے زیادہ سرکاری اداروں میں ملازم ہیں ۔ ماضی میں کوٹہ سسٹم رائج تھا ۔ اس وقت یہودیوں کو ملازمت نہیں ملتی تھی ۔ بے روزگاروں کے گروہ ملازمت کی تلاش میں دربدر ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے ۔ مگر ملازمت نہیں ملتی تھی ۔ پھر اجارہ دار سرمایہ دار یہودیوں کے روزگار دینے پر حکومت نے اس پابندی کو ختم کر دیا ۔ میک گورن نے "سیاہ فام" کی حمایت حاصل کرنے کے لئے سرکاری ملازمتوں میں اقلیتوں کا کوٹہ مقرر کرنے پر زور دیا ۔ اس بات سے درمیانہ طبقے کے یہودی بھی نکسن کے حامی بن گئے ۔ شکاگو کے انتخابی حلقے نمبر ۴۲ اور ۵۰ میں جہاں ملازم پیشہ اور درمیانے طبقے کے یہودیوں کی اکثریت ہے ۔ نکسن کو ۳۵ فیصد ووٹ ملے ۔ جب کہ ۱۹۶۸ء کے انتخابات میں ۲۰ فیصد ملے تھے ۔ میامی کے حلقہ نمبر ۱۴۸ سے نکسن نے ۳۷ فیصد ووٹ حاصل کئے ۔ ۱۹۶۸ء میں انہیں اس علاقے سے ۱۶ فیصد ووٹ ملے تھے ۔ اس انتخابی حلقے میں بوڑھے اور ریٹائرڈ یہودیوں کی اکثریت ہے ۔ نیویارک جو ڈیموکریٹک پارٹی کا گڑھ ہے، یہاں نکسن نے یہودیوں کے ۵۰ فیصد سے زیادہ ووٹ حاصل کئے ۔ ۱۹۶۸ء کے صدارتی انتخابات میں اس علاقے سے انہیں ۱۵ فیصد ووٹ ملے تھے ۔

نکسن کو سرمایہ دار یہودیوں کی پوری حمایت حاصل تھی

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صدر نکسن خارجہ پالیسی اور اس کی حکمتِ عملی میں کوئی تبدیلی کریں گے یا نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ سامراج کی فطرت نہیں بدلی جا سکتی، سامراج استحصال سے باز نہیں رہ سکتا۔ سامراج اپنے خاتمے تک نہ تو اپنے ہاتھ سے قصاب کا چھرا چھوڑے گا اور نہ کبھی مہاتما بدھ بنے گا، امریکی سامراج کے سربراہ نکسن نے انتخابات جیتنے، امریکی عوام کی حمایت حاصل کرنے، ڈالر کی گرتی ہوتی ساکھ کو برقرار رکھنے، اور معاشی بحران پر قابو پانے کے لئے ویت نام میں عارضی طور پر جنگ بند کر دی۔ لیکن دوبارہ صدر منتخب ہونے کے بعد ٹیلی ویژن پر امریکی عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "ویت نام میں عزت کے ساتھ امن قائم کیا جائے گا۔" یہاں "عزت" سے مراد یہ ہے کہ امریکہ اپنی برتری قائم رکھے گا۔ اور اپنی شرائط پر امن کا معاہدہ کرے گا۔ اب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ امریکہ ویت نام میں امن نہیں چاہتا۔ کیونکہ ۳۱ر اکتوبر کو شمالی ویت نام جنگ بندی کے سمجھوتے پر دستخط کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس دن اور اس کے بعد آنے والے کئی دنوں تک امریکہ نے پُراسرار خاموشی اختیار کر لی۔ پھر یہ افواہیں گرم ہوئیں کہ انتخابات سے قبل جنگ بندی کے سمجھوتے پر دستخط ہو جائیں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ خود صدر نکسن نے ان افواہوں کی تردید کر دی۔ اور قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "جنگ بندی کے سمجھوتے کے بعض نکات پر اختلاف کا امکان ہے۔ اسی لیے ہم ان کی توضیح کے انتظار میں ہیں۔ اختلاف کے نتیجے میں سمجھوتہ ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ ہم اسی وقت سمجھوتے پر دستخط کریں گے جب سمجھوتہ درست ہوگا۔ اس سے ایک دن قبل بھی ہم دستخط کرنے کو تیار ہیں نہ ہم اس میں ایک دن کی تاخیر کریں گے۔"

عین وقت پر امریکہ جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط کرنے سے منحرف کیوں ہو گیا؟ اس کی کئی وجوہات بتائی جاتی ہیں۔ لیکن سب سے بڑا مسئلہ جنوبی ویت نام سے شمالی ویت نامی فوجوں کا انخلاء ہے۔ جب ہنری کیسنگر نے شمالی ویت نامی رہنماؤں سے اپنے خفیہ مذاکرات کا انکشاف کیا تھا تو انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ شمالی ویت نام سے فوجوں کے انخلاء کے سلسلے میں کوئی بات ہوئی تھی۔ مگر اب نکسن حکومت نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ہنوئی جنوبی ویت نام سے اپنے ۲۵ ہزار فوجیوں کے انخلاء پر راضی ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ اپنی رضامندی تحریری طور پر دے۔ امریکی سامراج کے موقف کی اس تبدیلی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے وعدے سے منکر ہو رہا ہے۔

نکسن نے ویت نام میں عارضی جنگ بندی اس لئے نہیں کی تھی کہ وہ امن اور آزادی کے علمبردار ہیں۔ بلکہ ویت نام کے جیالے عوام نے برسوں کی مسلح جدوجہد اور قربانیوں سے یہ تسلیم کروا دیا کہ وہ ناقابلِ تسخیر ہیں۔ شمالی ویت نام کے گوریلوں اور ویت کانگ نے امریکی سامراج کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ دوسری جانب ویت نام کی جنگ نے امریکی سامراج کو معاشی بحران میں مبتلا کر دیا۔ ڈالر کی ساکھ مسلسل گرنے لگی۔ جنگ کے اخراجات پورا کرنے کے لئے حکومت نے نت نئے ٹیکس لگائے اور خسارے کا بجٹ پیش کیا جس سے گرانی آسمان سے باتیں کرنے لگی۔ افراطِ زر ہوا۔

امریکہ جنگ بندی کے معاہدے سے منحرف کیوں ہوا ہے؟

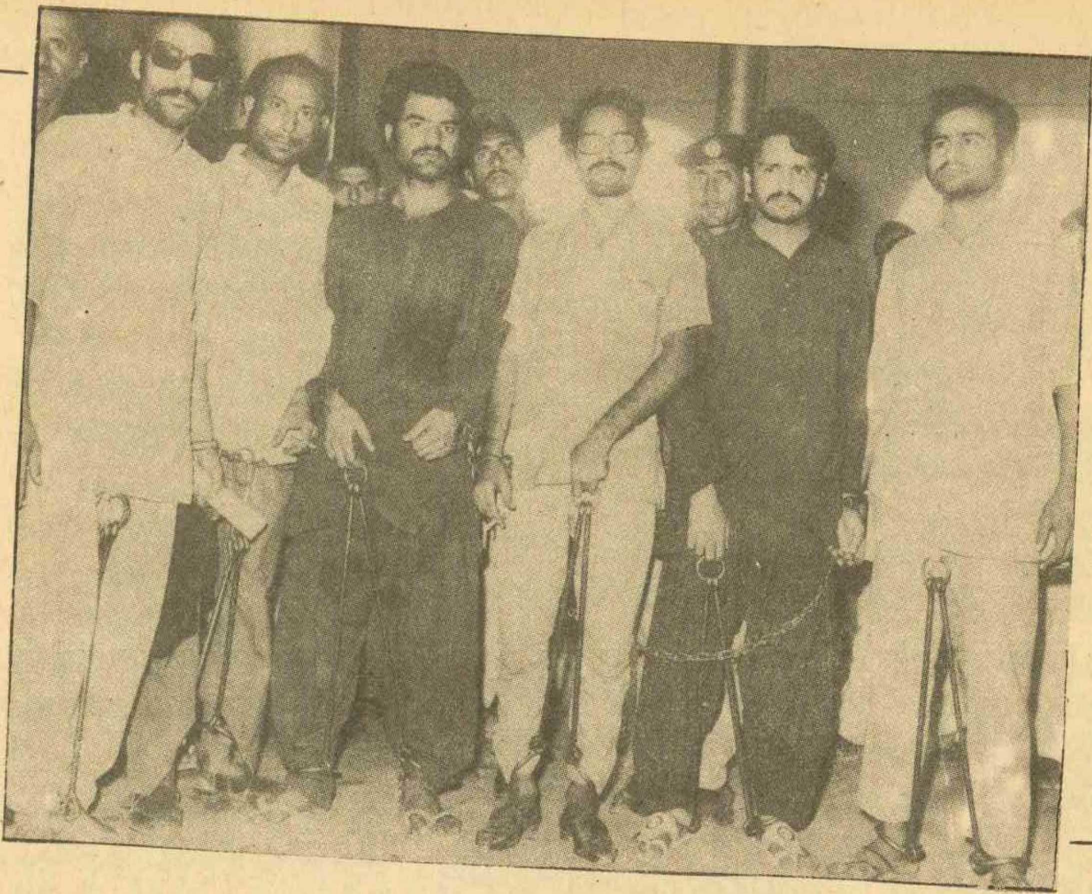
ترقیاتی منصوبوں پر عمل نہ ہو سکا جس سے بے روزگاروں کی تعداد بڑھنے لگی۔ ان باتوں سے امریکی عوام میں بے چینی پیدا ہوئی امریکی عوام نے ویت نام میں امریکی مسلح جارحیت کی مخالفت اس لیے بھی کی کہ ان کے رشتہ دار، دوست احباب بھاری تعداد میں اس جنگ میں ہلاک ہوئے۔ ایک ایسی جنگ جس میں امریکی عوام کا کوئی فائدہ اور مفاد نہیں ہے بلکہ وہ امریکی اجارہ دار سرمایہ داروں کے مفادات کے لیے لڑی جا رہی ہے تاکہ ہند چینی کے استحصال کی ایجنسی ان کے پاس رہے۔ ویت نام کی جنگ میں امریکہ کو مالی نقصان کے علاوہ بے پناہ جانی زیاں بھی برداشت کرنا پڑا۔ یکم جنوری سے ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۲ء تک ۴۵۸۸۶ امریکی سپاہی لڑتے ہوئے ہلاک ہوئے۔ دس ہزار ۲۸۱ امریکی سپاہی ویت کانگ کے اچانک حملوں کے دوران ہلاک ہوئے۔ تین لاکھ تین ہزار ۵،۴ زخمی ہوئے اور ۵۴۵ قیدی بنا لیے گئے، اور ایک ہزار ۴ ۱۵ لاپتہ ہیں۔

ان تمام نقصانات اور عوامی مخالفت کے باوجود نکسن حکومت اجارہ دار سرمایہ داروں کے مفادات کے تحفظ کے لیے ویت نام میں جنگ بندی کے سمجھوتے پر دستخط کرنے سے گریز کر رہی ہے اور شمالی ویت نام پر الزام لگا رہی ہے کہ وہ امن کا خواہشمند نہیں۔

پاکستانی سرمایہ داروں کے اخبارات نے نکسن کی کامیابی کی خبر سہ سرخیوں سے شائع کی۔ بعض اخبارات نے یہ بھی لکھا کہ نکسن کی کامیابی نے بھارت میں صفِ ماتم بچھا دی کیونکہ نکسن پاکستان کا حامی اور دوست ہے۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ پاکستانی سرمایہ داروں کا پریس ہر امریکی صدر اور حکومت کو پاکستان کا دوست ثابت کرنے کی کوشش کیوں کرتا ہے؟ کیا امریکی سامراج نے قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک ہماری مدد کی ہے۔ کیا مشکل اور کٹھن وقت میں ہمارا کبھی ساتھ دیا ہے؟ ۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگ میں امریکہ کہاں تھا؟ پاکستان کا سرمایہ دار پریس اور حکومت کے ذرائع ابلاغِ عامہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن بھی خوب ہیں۔ عوام میں امریکی سامراج کے لیے ہمدردی اور دوستی کے جذبات پیدا کرنے کے لیے بڑی دور کی کوڑی لاتے ہیں۔ یادش بخیر ۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے اچانک خبر دی کہ امریکہ نے پاکستان کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے اور امریکہ کا ساتواں طیارہ بردار ایٹمی بحری بیڑہ خلیج بنگال کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ پانچ دن تک اس بات کا پراپیگنڈہ ہوتا رہا کہ امریکی بحری بیڑہ خلیج بنگال میں داخل ہو کر چاٹگام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ لیکن شاید خلیج بنگال بحرالکاہل یا بحرِ اوقیانوس بن گئی تھی۔ اسی لیے ۷۰ ناٹ فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والا امریکی بحری بیڑہ پانچ دن میں بھی چاٹگام نہیں پہنچ سکا۔ اسی دوران میں سقوطِ ڈھاکہ ہو گیا۔ جب امریکہ کا ساتواں بحری بیڑہ چاٹگام کے لیے روانہ ہوا تھا تو اسی وقت عوام دوست عناصر نے کہا تھا کہ یہ سراسر فریب ہے یہ بیڑہ پاکستان کی مدد کو نہیں آ رہا بلکہ اس کا مقصد بحرِ ہند میں سوویت یونین کی بڑھتی ہوئی طاقت کو چیک کرنا ہے اس وقت حکومتِ پاکستان نے ان عناصر پر یہ الزام لگایا تھا کہ یہ لوگ پاکستان کو امریکہ کی حمایت اور دوستی سے

باقی صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ فرمائیں





کراچی کے مزدوروں کی حالیہ تحریک

★

ایک تجزیہ

یہ معاشی نہیں، سیاسی جدوجہد تھی

احفاظ الرحمٰن

کراچی کے جیالے مزدوروں کی پچیس روزہ ہڑتال ختم ہو چکی ہے۔ ظالموں اور مظلوموں کی ازلی و ابدی جنگ کا ایک مرحلہ ختم ہو چکا ہے۔ اس ہڑتال نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان کا مزدور آج پہلے سے کہیں زیادہ باشعور ہے اور وہ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے بوسیدہ نظام پر کاری ضرب لگانے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ کراچی کے مزدوروں میں یہ احساس شدید ہو گیا ہے کہ وہ ایک سیاسی جنگ لڑ رہے ہیں اور ان کی حالیہ ہڑتال اس بات کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہے کہ مزدوروں کا شعور اب چھوٹے چھوٹے معاشی مطالبات کے دائرے سے نکل کر ایک ہمہ گیر سیاسی جدوجہد کی منزلیں طے کر رہا ہے۔

اس دوران کراچی کے مزدوروں نے پوری طرح متحد ہو کر دلیری کے ساتھ ظالم سرمایہ داروں اور بدعنوان نوکر شاہی کا مقابلہ کیا اور برسر اقتدار طبقوں کو یہ جتا دیا کہ مزدور ان کے کسی بھی ہتھکنڈے سے مرعوب نہیں ہوں گے۔ سرمایہ داروں اور نوکر شاہی نے ان میں انتشار پھیلانے اور پھوٹ ڈالنے کے لیے اپنے پٹھوؤں کے ذریعے متعدد حربے استعمال کیے۔ لیکن انہیں ذرہ برابر کامیابی نہیں ہوئی مزدور پوری طرح متحد رہے۔ سرمایہ داروں کے گنے چنے ایجنٹوں کی ہر چال ناکام ہوئی۔ مزدوروں کو اس بات کا احساس ہو گیا ہے کہ دشمن ان کو مختلف دھڑوں میں بانٹ کر انہیں کمزور کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ اگر وہ ایک دوسرے کے مسائل سے بے تعلق رہے تو دشمن ایک ایک کر کے آسانی سے انہیں ہڑپ کر لے گا۔

گزشتہ چھبیس سال کی صبر آزما جدوجہد کے دوران مزدوروں نے یہ سیکھا ہے کہ محض معاشی مطالبات کے لیے جدوجہد کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، جب تک سرمایہ دار طبقہ برسرِ اقتدار ہے اس وقت تک ان کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ جب تک لوٹنے والے طبقوں کا وجود باقی ہے، اس وقت تک لوٹ کھسوٹ جاری رہے گی۔ اور یہ کہ مزدوروں کو ان کے حقوق خیرات میں نہیں ملیں گے۔ اس کے لیے انہیں خود کو ایک طویل اور مسلح جدوجہد کے لیے تیار کرنا ہوگا۔ اور اس جدوجہد کے لیے مزدوروں کا اتحاد بنیادی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

لانڈھی کی پچیس روزہ ہڑتال نے پاکستان کی مزدور تحریک میں ایک روشن باب کا اضافہ کیا ہے۔ اب مزدور ایک دوسرے کے مسائل سے بے تعلق نہیں رہ سکتے۔ ان کا طبقاتی اور اجتماعی شعور پہلے سے زیادہ پختہ ہو چکا ہے۔ اگر ایک کارخانے کے مزدوروں پر ظلم ہوتا ہے تو دوسرے کارخانوں کے مزدور اس کی کسک اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں۔ ان کے مسائل یکساں ہیں۔ انہیں ہر جگہ سرمایہ دارانہ نظام کے استحصال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے

حکومت نے آمرانہ اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا

ان کے طبقاتی بھائیوں کے مسائل ان کے اپنے مسائل ہیں اگر ایک مزدور کا بچہ بھوک سے دم توڑ دیتا ہے تو دوسرا مزدور اس کی شکل میں اپنے بچے کا عکس دیکھتا ہے۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے ان پچیس دنوں کے دوران کراچی کے مزدوروں کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر لا کھڑا کیا تھا۔

ہڑتال مشین ٹول فیکٹری سے شروع ہوئی تھی جو وزارتِ دفاع کے تحت ہے۔ حکومت مزدوروں کو بارہا اس بات کا یقین دلا چکی ہے کہ آئندہ کسی کارخانے میں تالہ بندی نہیں ہو گی۔ لیکن جب مزدوروں نے دیکھا کہ ایک سرکاری کارخانے مشین ٹول فیکٹری میں انتظامیہ نے تقریباً نوّے مزدوروں کے لیے گیٹ بند کر دیئے ہیں تو انہیں احساس ہُوا کہ مزدوروں کو کچلنے کے منصوبے پر عمل شروع ہو چکا ہے اور یہ کہ موجودہ حکومت بھی پرانی حکومتوں کی طرح مزدوروں کے خلاف آمرانہ اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ چنانچہ مشین ٹول فیکٹری کے مزدوروں نے ہڑتال کر دی لیکن انتظامیہ نے ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے ان کے مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر لانڈھی کے تمام کارخانوں نے مشترکہ طور پر دو دن کے لیے علامتی ہڑتال کر دی۔ یہ عمل اس بات کا واضح اظہار تھا کہ مزدور اپنے اجتماعی مفادات کا تحفظ کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ انہیں اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ کرسیوں پر بیٹھنے والوں کے چہرے تو بدل گئے ہیں لیکن ان کا اندازِ شہر یاری ان کے پیش روؤں سے مختلف نہیں ہے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی طرف سے مزدوروں پر بھرپور حملہ شروع ہو چکا تھا اور فطری طور پر مزدوروں پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ ابتدا ہی میں اس حملے کے خلاف دفاعی تدابیر اختیار کریں، ورنہ سرمایہ دار اور جاگیردار اور بھی شدّت سے ان پر حملے کرنے لگتے اور مزدوروں کا یہ اندازہ غلط نہیں نِکلا۔ بعد کے واقعات سے اس کی پوری طرح تصدیق ہو جاتی ہے۔ شہر یاروں نے کھل کر سرمایہ داروں کا ساتھ دیا اور مزدوروں کو کچلنے کے لیے ہر ممکن حربے اختیار کیے۔ جب سرمایہ داروں نے لانڈھی کے ہڑتالی مزدوروں کے دو دن کے واجبات ادا کرنے سے انکار کر دیا، تو حکومت کی مشینری نے پوری طرح اس کی حمایت کی۔ اس طرح مزدوروں کا یہ تجزیہ بھی درست نِکلا کہ چہرے تو بدل گئے ہیں لیکن سماج کے بنیادی ڈھانچے میں ذرا سی بھی تبدیلی نہیں آئی۔ ناانصافی ظلم و تشدد اور لوٹ کھسوٹ پہلے کی طرح آج بھی برقرار ہے اور حکومت کی مشینری پہلے کی طرح آج بھی سرمایہ داروں کے ہاتھ کا کھلونا بنی ہوئی ہے۔

مزدوروں نے پیپلز پارٹی کو اس لیے کامیاب کرایا تھا کہ اس کے منشور میں انہیں ایک ایسا سماجی نظام دینے کا وعدہ کیا گیا تھا جس میں لوٹ کھسوٹ، ناانصافی اور ظلم و تشدد کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی لیکن اس کے تمام وعدے سراب ثابت ہوئے۔ مزدوروں نے جب اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کی تو ایک بار پھر سنگینوں سے ان کے سینے چھلنی کر دیئے گئے۔

حکومت اپنی قوّت کا مظاہرہ کرنے پر تُلی ہوئی تھی وہ سمجھتی تھی کہ یہ ”حقیر سے انسان“ دو دن میں ناک رگڑنے لگیں گے۔ لیکن مزدور ہر دُور میں طاقت کا مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے طبقاتی احساسات سے سرشار ہو کر اپنی اجتماعی جدوجہد جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ان کے طبقاتی دشمن جو جنم جنم سے ان کا لہو نچوڑتے رہے ہیں، کھل کر ان کے سامنے آ گئے تھے اور وہ بھی کھل کر ان کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے اور انہیں بر جتا دینا چاہتے تھے کہ وہ اپنے دشمنوں سے کسی قیمت پر مفاہمت نہیں کریں گے۔

اس دوران سرمایہ داروں اور حکومت کی مشینری نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے مزدوروں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے ہر داؤ آزمایا۔ یہاں تک کہ ان میں علاقائی منافرت پیدا کرنے کی بھی کوشش کی گئی لیکن اسے بُری طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مزدوروں کو پوری طرح اس بات کا احساس تھا کہ مزدور خواہ سندھ کا ہو یا پنجاب کا، بلوچستان کا ہو یا سرحد کا، اسے ہر جگہ استحصال کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اور سرمایہ دار ہر جگہ مزدوروں کے لہُو سے عیش و عشرت کے نگارخانے سجاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سرمایہ داروں اور حکومت کی مشینری مزدور لیڈروں کو خریدنے اور مرعوب کرنے کی بھی کوشش کرتی رہی۔ فون پر چودہ مزدور لیڈروں کو یہ دھمکی دی گئی کہ وہ اس جدوجہد سے دستبردار ہو جائیں ورنہ ان کا انجام عبرت ناک ہو گا۔ لیکن مزدور لیڈروں نے مزدوروں کے مفادات کی قیمت پر کوئی سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسری طرف مزدور بھی اپنے مخلص اور بے باک لیڈروں کا تحفظ کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ چنانچہ جب حکومت نے ڈی پی آر کے تحت پانچ مزدور لیڈروں کے وارنٹ جاری کیے تو داؤد کاٹن مِل کے جیالے مزدوروں اور ان کی یونین کے کارکنوں نے انہیں پناہ دی اور جب پولیس نے قوّت کے بَل بوتے پر مِل کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی تو مزدوروں نے ”دو بدو“ ان کا مقابلہ کیا اور انہیں اندر داخل ہونے کا مُوقع نہیں دیا۔

جہاں ظلم ہوتا ہے وہاں مزاحمت ضرور ہوتی ہے جب کہیں سے حملہ ہوتا ہے تو اس کے خلاف جوابی حملہ ضرور ہوتا ہے۔ جو تنظیم لڑائی کے دوران بروقت حربی اصولوں پر عمل نہیں کرتی، شکست اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

پولیس بلڈوزر سے مِل کی دیوار توڑ کر اندر داخل ہوئی تو مزدوروں نے ایک بار پھر قدم قدم پر ان کا مقابلہ کیا اتنی قوت استعمال کرنے کے باوجود مذکورہ پانچ لیڈر پولیس کے ہاتھ نہیں لگے۔ اور اسے ایک اور شرمناک ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ پولیس اور ملیشیا لانڈھی کے پورے مِل ایریا کو گھیرے میں لے چکی تھی۔ اس دوران میں انہوں نے اپنی روایات کے مطابق قتل و غارت گری کا بازار گرم رکھا۔ درجنوں مزدوروں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ روزانہ مزدوروں سے بھری ہوئی پولیس گاڑیاں جیل کی طرف جاتی رہیں لیکن مزدوروں کے حوصلے پہلے کی طرح بلند رہے۔ ایک طرف لانڈھی کے محلّوں میں یتیموں اور بیواؤں کی سِسکیاں گونج رہی تھیں اور دوسری طرف حکومت کی طرف سے یہ اعلان کیا جا رہا تھا کہ مزدور شر پسند ہیں اور بیرونی اشاروں پر ملک میں بدامنی پھیلانا چاہتے ہیں۔

مزدور تخریب پسند اور سرمایہ دار امن پسند بن چکے تھے۔ حکومت کا طبقاتی کردار کھل کر سامنے آ چکا تھا۔ حکومت جو مزدوروں کی حامی ہونے کی دعویدار تھی ایک بار پھر اس جنگ میں سرمایہ داروں کے ساتھ مِل چکی تھی۔ دشمن کا دوست ہمارا دشمن ہوتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے۔ اور اس اصول کے پیشِ نظر مزدور یہ سمجھنے میں حق بجانب تھے کہ حکومت اور سرمایہ داروں کے بنیادی مفادات ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں اور وہ اپنی طبقاتی نفرت کے ساتھ ”حقیر“ مزدوروں کو کچلنے کا تہیہ کیے بیٹھے ہیں ہر نکتہ خود بخود واضح ہو کر سامنے آ رہا تھا۔ ان کا عمل انہیں سب کچھ سکھا رہا ہے۔ وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اب حکومت لاکھ لیپا پوتی کرنے کی

کوشش کرے وہ مزدوروں کو بہلا نہیں سکتی۔ سائٹ ایریا میں سات آٹھ جون کی سفاکانہ فائرنگ کے بعد لانڈھی میں اس نے جو خونیں ڈرامہ کھیلا ہے وہ اس کے طبقاتی کردار کو بے نقاب کرنے کے لیے کافی ہے۔ بھیڑیا، بھیڑ کی کھال پہن کر بھیڑ کبھی نہیں بن سکتا۔

بھیڑیوں کو جو کچھ کرنا تھا انہوں نے وہی کیا۔ ایک بار پھر ریڑھی کی پہاڑیوں پر انتہائی ظالمانہ طریقے سے مزدوروں کا خون بہایا گیا۔ لیکن مزدور اب بھی ظلم کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتے تھے۔ وہ قدم قدم پر پولیس اور ملیشیا کا مقابلہ کرتے رہے اور جب کراچی کی انتظامیہ مزدوروں کی قوت کے آگے بے بس ہو گئی تو اس نے فوج کے سپاہیوں کو طلب کر لیا جو وطن کی مقدس سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

ملک کے کونے کونے میں کراچی کے مزدوروں کے خلاف بہیمانہ ظلم و تشدد کی مذمت کی جا رہی تھی۔ کراچی کے سائٹ ایریا

مزدوروں کو کسانوں کی جدوجہد سے رابطہ مضبوط کرنا چاہیئے

میں مزدوروں نے لانڈھی کے مزدوروں کی حمایت میں جلسہ کیا تو پولیس نے ان کے لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ مقامی انتظامیہ مزدوروں کے بڑھتے ہوئے سیاسی شعور سے خائف تھی اور وہ اسے ہر قیمت پر کچلنے کا تہیہ کر چکی تھی۔ اس نے مزدوروں میں انتشار پھیلانے کے لیے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے افواہیں پھیلانے کی مہم تیز کر دی اور بعض مزدور لیڈروں پر انتہائی مذموم الزامات لگا کر انہیں عادی مجرموں کی طرح جیل میں ٹھونس دیا گیا۔

کراچی کے مزدوروں کی پچیس روزہ ہڑتال ختم ہو چکی ہے۔ مزدور تحریک کا ایک مرحلہ ختم ہو چکا ہے سینکڑوں مزدور اور ان کے لیڈر آج جیلوں کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ مشین ٹول فیکٹری کے جیالے مزدور لیڈروں کی ایک تصویر شائع ہوئی ہے جس میں ان کے ہاتھوں اور پیروں میں عادی مجرموں کی طرح ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پڑی ہیں۔ لانڈھی کی سڑکوں پر اب تک جا بجا خون کے دھبے پھیلے ہوئے ہیں سینکڑوں مزدوروں پر ملوں کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔ ملوں

حکومت اور سرمایہ دار مزدوروں کے سیاسی شعور سے خائف تھے

میں کام شروع ہو چکا ہے اور بعض بد طینت افراد یہ پراپیگنڈا کر رہے ہیں کہ مزدور ہار گئے ہیں۔

مندرجہ بالا واقعات کے پیش نظر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مزدوروں کی بدقسمتی ہزیمت ایک تدبیری پسپائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس جدوجہد نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مزدور پہلے کی نسبت اب زیادہ متحد و منظم ہیں اور ان کا سیاسی شعور آگے بڑھا ہے۔ انہوں نے جس طبقاتی جذبے کے ساتھ ظلم کا مقابلہ کیا ہے۔ اس نے تاریخ کے عمل کو آگے بڑھایا ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس جدوجہد میں مزدوروں کی قوت کمزور تھی وہ سرمایہ داروں کے ایجنٹ ہیں اور جان بوجھ کر مزدوروں میں بددلی پھیلانا چاہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مزدوروں کی قوت نے سرمایہ داروں اور حکومت کی پوری مشینری کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور اس کے ایجنٹوں کی راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ مزدور اتنے متحد اور منظم تھے کہ پولیس کی بھرپور قوت استعمال کرنے کے باوجود سرمایہ دار اور حکومت کی مشینری انہیں نیچا نہ دکھا سکی۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں اپنی آخری قوت، فوج کو طلب کرنا پڑا۔

کس نے کھویا ہے اور کس نے پایا ہے؟ کون مضبوط ہوا ہے اور کون کمزور؟ پولیس اور فوج کی بھرپور قوت استعمال کرنے کے بعد اب حکومت اپنی کمزوری کو چھپا نہیں سکتی۔ مزدوروں کو اس بات کا احساس ہو گیا ہے کہ کل بھی گولی چلتی تھی اور آج بھی گولی چلتی ہے۔ بھیڑوں کی کھال میں چھپے ہوئے بھیڑیوں کے چہرے بے نقاب ہو گئے ہیں۔ شہید مزدوروں کا لہو ظالموں کے چہرے کی کالک بن چکا ہے مزدوروں کے سیاسی شعور سے خائف ہو کر سرمایہ داروں اور نوکر شاہی نے ان کو کچلنے کے لیے ہر ممکن حربہ استعمال کیا۔ لیکن مزدوروں نے اجتماعی اور طبقاتی احساسات کے تحت پوری طرح متحد ہو کر ان کا مقابلہ کیا۔ یہ اجتماعی اور طبقاتی احساسات ان کی مستقبل کی جدوجہد کا سرمایہ بن چکے ہیں۔ اب انہیں الگ الگ کر کے کچلا نہیں جا سکتا۔ مزدوروں کے سماجی مسائل اس نظام کے ذریعے حل نہیں کیے جا سکتے۔ اور جب تک یہ مسائل باقی ہیں، ان کی جدوجہد، ان کی جنگ جاری رہے گی۔

دشمن کی حکمت عملی یہ تھی کہ وہ مزدوروں میں انتشار پھیلائے اور مزدوروں کی حکمت عملی یہ تھی کہ وہ اپنے اتحاد کو مضبوط بنائیں۔ مزدور اپنے مقصد میں کامیاب رہے اور انہوں نے اس جدوجہد کے دوران اتحاد کے بے مثال جذبے کا مظاہرہ کیا۔ اگر مزدور متحد اور منظم نہ ہوتے تو حکومت کی مشینری کو اس بری طرح ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑتا اور فوج کا سہارا نہ لینا پڑتا۔

ہر تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں۔ مثبت اور منفی پہلو ساتھ ساتھ موجود رہتے ہیں۔ مزدور کارکنوں کو قناعت پسندی کا شکار نہیں ہونا چاہیئے۔ حالیہ جدوجہد کا نچوڑ نکالتے وقت انہیں خاص طور پر اپنے کمزور پہلوؤں، اپنی غلطیوں اور اس کے اسباب کا جائزہ ضرور لینا چاہیئے۔ مزدور پہلے سے زیادہ منظم اور متحد ہیں اور ان کا سیاسی شعور آگے بڑھا ہے۔ انہیں اس پر قانع نہیں ہونا چاہیئے ورنہ ان کی جدوجہد کا ارتقائی عمل سست پڑ جائے گا۔ دشمن ان میں پھوٹ ڈالنے کے لیے پیشہ ور لیڈروں کے ذریعے نت نئے ہتھکنڈے استعمال کرتا رہے گا انہیں اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی صفوں کو اور منظم کرنا ہو گا اور دھڑے بازی کی عصبیت سے بچنا ہو گا۔ انہیں اپنے اندر اعتماد کی فضا پیدا کرنے کے لیے اور زیادہ تیزی سے کام کرنا چاہیئے تاکہ چاروں طرف بکھرے ہوئے دیانتدار کارکن ایک مرکز پر جمع ہو سکیں۔ تنگ نظری سے گریز کرنا چاہیئے۔ اور چھوٹی چھوٹی غلطیوں کے باعث دوسرے کارکنوں کو مطعون نہیں کرنا چاہیئے۔ اور "دیانتداری" کا لیبل اپنے لیے مخصوص نہیں کر لینا چاہیئے۔ ایک دوسرے پر تنقید کرتے وقت بازاری جملوں کا سہارا نہیں لینا چاہیئے۔ کسی کی دل آزاری کرنے کو انقلابی عمل کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ انہیں اپنے اصل اتحادیوں کسانوں کے ساتھ اپنے اتحاد کو مضبوط بنانا چاہیئے جو ملک کی غالب اکثریت کی تشکیل کرتے ہیں اپنی جدوجہد کو ان کے انقلابی عمل سے مربوط کرنا چاہیئے تاکہ ان کی مشترکہ جدوجہد ایک ٹھوس اور ہمہ گیر تحریک کی شکل اختیار کر سکے۔

اگر صحت مندانہ خطوط پر کام کیا گیا تو مزدوروں کا بڑھتا ہوا سیاسی شعور بکھرنے نہیں پائے گا اور ان کی منزلیں آسان ہو جائیں گی اور انقلاب زیادہ قریب آ جائے گا۔

الفتح

غیر قانونی

تالہ بندی کر کے

ڈھائی ہزار مزدوروں

کو جبری ہڑتال پر مجبور کیا گیا



مجید احمدؔ پاکستان مشین ٹول فیکٹری ایمپلائز یونین کے صدر ہیں۔ آج کل ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت خیر پور جیل میں قید و بند کے مصائب برداشت کر رہے ہیں۔ ان کا اگر کوئی قصور ہے تو یہ کہ انہوں نے مزدوروں کے استحصال کے خلاف آواز اٹھائی۔ ان کے حقوق کے لئے جدوجہد کی۔ اس "جرم" کی پاداش میں انہیں "تخریب پسند، ملک دشمن اور غیر ملکی ایجنٹ" کے خطاب سے نوازا گیا اور اب ان کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر ان کے ساتھ اخلاقی مجرموں جیسا سلوک کیا جا رہا ہے۔

(ادارہ)

مجید احمد

پاکستان مشین ٹول فیکٹری کے مزدوروں اور یونین کے عہدیداروں کو "ملک دشمن" قرار دے کر موجودہ حکومت نے ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت یونین کے دس عہدیداروں اور کارکنوں کے وارنٹ جاری کیے تھے جس میں سے چھ کو گرفتار کیا جا چکا ہے اور باقی مزدور کارکنوں کے گھر والوں اور رشتہ داروں کو ہراساں کیا جا رہا ہے ـــــــ یہ سب کچھ اس "عوامی دور" میں ہو رہا ہے جس کی مثال موجودہ حکمرانوں کے پیش رو بھی قائم نہ کر سکے۔ یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ ملک کے افضل ترین شہریوں یعنی مزدوروں کو تخریب کار، شر پسند اور وطن دشمن گردانا جا رہا ہے جب کہ محنت کش طبقہ اس ملک کی تمام دولت کا خالق ہے اور حکومت بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھتی ہے کہ افسر شاہی سرمایہ دار اور وڈیرے ہی اصل میں ملک کے دشمن ہیں۔

مشین ٹول فیکٹری پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کا نہایت اہم ادارہ ہے اور اس کی اہمیت یوں اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ پاکستان میں مشین ٹول کا یہ واحد ادارہ ہے اس پروجیکٹ پر زرِ مبادلہ کی صورت میں اب تک تقریباً ۲۵ کروڑ روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ اس کے لیے سوئٹزرلینڈ مغربی جرمنی وغیرہ کی فرموں سے مشینیں خریدی گئی ہیں خریداری ایسی فرموں سے کی گئی ہے جنہوں نے پی آئی ڈی سی کے افسران کو زیادہ سے زیادہ کمیشن دیا۔ یہ بات واضح ہے کہ مغربی ممالک جب قرض دیتے ہیں تو مال بھی ان سے ہی خریدنا پڑتا ہے جس کی وہ من مانی قیمت وصول کرتے ہیں یہی مشینری اگر سوشلسٹ ممالک سے خریدی جائیں تو اس مالیت میں تین مشین ٹول فیکٹریاں تعمیر ہو سکتی ہیں۔

یہ تاثرات ایک دوست ملک کے ماہرین کے ہیں جو فیکٹری دیکھنے آئے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ ہمارے جیسے نیم ترقی یافتہ ملک کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم دنیا کی اعلیٰ ترین مشینری کی خریداری جیسی عیاشی کے متحمل ہو سکیں۔

اس فیکٹری کے ماہرین کی فوج ظفر موج کو سوئٹزرلینڈ اور دیگر یورپی ممالک میں تربیت کے لیے دو سال سے پانچ سال کی تربیت کے لیے بھیجا گیا تاکہ وہ وطن واپس آ کر فیکٹری کو چلانے کے قابل ہو سکیں۔ اس تربیت پر لاکھوں روپے کا زرِ مبادلہ خرچ ہوا لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جب یہ ماہرین واپس آئے تو ان کے ساتھ تقریباً پچاس غیر ملکی ماہرین کی جماعت بھی لائی گئی۔ ان غیر ملکی ماہرین کا قیام

مزدور کی بیوی کو زچگی الاؤنس ۵۰ روپے افسر کی بیوی کو ۵۰۰ روپے

بھی دو سال سے پانچ سال کا ہے۔ ان کے رہنے سہنے پر لاکھوں روپے خرچ ہو رہے ہیں۔ ان ماہرین کو موٹر کاریں ائیر کنڈیشنڈ بنگلے اور نہ جانے کیا کچھ مہیا کیا جاتا ہے۔ ہم یہ پوچھتے ہیں اگر ان غیر ملکی ماہرین کی ضرورت تھی تو اپنے ماہرین کو باہر کیوں بھیجا گیا اور اگر اپنے ماہرین کو باہر بھیجا گیا تھا تو ان غیر ملکی ماہرین کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن جناب عالی! ایسی بات پوچھنے والے پر ڈی پی آر کا اطلاق ہوتا ہے اور اسے ہماری طرح سیدھا جیل میں بھیج دیا جاتا ہے کہ ملک کے مزدور اتنے گستاخ ہو گئے ہیں کہ ملکی معاملات میں دخل اندازی کرتے ہیں۔ یہاں کی نوکر شاہی اس طرح کے اعتراضات کو بالکل برداشت نہیں کر سکتی۔ اور اتنی طاقت رکھتی ہے کہ موجودہ حکومت سے مزدوروں پر گولی چلانے، انہیں پابندِ سلاسل کرنے، لاٹھی چارج کرنے اور اس قسم کے تمام دوسرے اختیارات حاصل کر سکے۔ اور قصہ بھی یہی ہے کہ یہ حکومت افسر شاہی کی "بیساکھیوں" کے بغیر چل بھی نہیں سکتی۔ اس کا سوشلزم تو پہلے دن ہی بے نقاب ہو گیا تھا۔ اب تو وہ دھونس دھاندلی سے کام چلا رہی ہے۔

گزشتہ دنوں مشین ٹول فیکٹری کی انتظامیہ نے اخبارات میں اشتہار دیا اور مزدوروں پر الزام لگایا کہ وہ غیر قانونی ہڑتال پر ہیں حالانکہ واقعات اس کے برعکس ہیں ــــ مشین ٹول ایمپلائز یونین اس ادارے کی واحد یونین ہے اور قانونی جدوجہد پر یقین رکھتی ہے۔ مورخہ ۱۲ ستمبر کو یونین کے جنرل سیکرٹری مرتضٰے قریشی نے انڈسٹریل ریلیشن آرڈی نینس کی دفعہ ۱۶-اے کے تحت ڈیمانڈ نوٹس دیا جس کی مدت دس دن ہے اور اس مدت میں انتظامیہ قانونی طور پر یونین سے مذاکرات کرنے کی پابند ہے۔ بات چیت ناکام ہونے کی صورت میں یونین قانونی ہڑتال کے نوٹس کے لیے راہ ہموار کرتی ہے لیکن بدنیت انتظامیہ نے پہلا قانونی نوٹس ختم ہونے سے قبل ہی غیر قانونی طور پر تالہ بندی کر کے ڈھائی ہزار مزدوروں کو جبری ہڑتال پر مجبور کر دیا۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ تالہ بندی سے دو روز قبل ہی انتظامیہ نے یونین کے جنرل سیکرٹری مرتضٰے قریشی کو گھر سے گرفتار کروا دیا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بدنیت منتظمین پہلے سے ہی مزدور تنظیم پر وار کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ مقامی انتظامیہ نے بھی غیر قانونی اعمال کی حامل انتظامیہ کا بھرپور ساتھ دیا اور ۲۳ ستمبر کو فیکٹری گیٹ پر پولیس کی بھاری جمعیت متعین کر دی گئی اور فیکٹری بلڈنگ پر مشین گنیں فٹ کر دی گئیں۔ کالونی میں رہنے والے ملازمین میں ہراس پھیلانے کے لیے جنرل منیجر نے اپنے بنگلے پر بھی مشین گن نصب کروا دی۔ اسی دن فیکٹری گیٹ سے یونین کے نائب صدر حیات خان، پبلک ریلیشن سیکرٹری رفیق خانزادہ مجلس عاملہ کے رکن نسیم الدین مزدور کارکن نایاب علی اور امین پاشا کو گرفتار کروا کر مزدوروں میں اشتعال پھیلانے کی ناکام کوشش کی گئی اور دوسرے دن ۲۴ ستمبر کو پولیس کی جمعیت کے ساتھ فیکٹری کی تالہ بندی کر دی گئی۔ مزدوروں کو زبردستی بسوں سے اتار کر مارا پیٹا گیا اور چالیس مزدوروں کو دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کے جرم میں گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا۔ جب کہ یہ مزدور بسوں میں اپنے گھروں کو واپس لوٹ رہے تھے۔

اس فیکٹری کا جنرل منیجر جو کہ بریگیڈئیر آن ڈیوٹی ہے اور یونیفارم میں مزدوروں پر رعب جمانے کا عادی ہے اس قدر ڈرپوک ہے کہ اس نے اپنی حفاظت کے لیے تالہ بندی سے ایک ہفتہ قبل اپنے دفتر پر مسلح پولیس کا پہرا لگا دیا۔ جبکہ ایس ڈی ایم کینٹ خود اس بات کا

افسران کی آمد و رفت پر سالانہ دو لاکھ روپے خرچ ہوتے ہیں

شاہد ہے کہ مزدور بالکل پرامن تھے اور کام بالکل معمول کے مطابق ہو رہا تھا۔ انتظامیہ نے مذکورہ اشتہار میں کئی احسانات گنوائے ہیں، میں ان احسانات کا ذکر کرتا چلوں۔

(۱) کالونی میں رہنے والے ملازمین جن کی تعداد دو سو سے زیادہ نہیں (ان میں افسران بھی شامل ہیں) انہیں غیر ملکی ماہرین کا بچا کھچا فرنیچر کرایہ پر دیا گیا ہے۔ ریفریجریٹر ائیر کنڈیشنر اور قالین افسران کو اور ٹوٹا پھوٹا سامان عام ملازمین کو دے کر اسے احسان میں شمار کیا ہے۔ جبکہ وہ افسران جو کالونی میں نہیں رہتے، ان سے کرایہ وصول کیے بغیر ہزاروں روپے کا سامان ان کے بنگلوں پر پہنچا دیا گیا۔

(۲) میڈیکل سہولت کا تذکرہ ہے۔ مشین ٹول کے ڈھائی ہزار مزدوروں کے لیے صرف ایک ڈاکٹر ہے۔ اور ان مزدور مریضوں کا اکثر وقت قطار میں کھڑے رہنے میں ضائع ہو جاتا ہے۔ جب اس امر کی جانب توجہ دلائی گئی اور بتایا گیا کہ اس طرح پیداوار کا وقت ضائع ہوتا ہے اس لیے ایک مزید ڈاکٹر رکھ لیا جائے تو جنرل منیجر نے کہا کہ ہمیں وقت کے ضائع ہو جانے کا کوئی غم نہیں لیکن اور ڈاکٹر نہیں رکھا جا سکتا ــــ افسران کے گھروں میں ڈاکٹر قیمتی ادویات مہیا کرتا ہے۔ جبکہ مزدوروں کو اے پی سی پر ٹرخا دیا جاتا ہے۔

(۳) افسران کے بنگلوں میں ٹیلیفون کی سہولت ہے جس کے ہزاروں روپے کے بل سرکاری کھاتے سے دیئے جاتے ہیں۔

(۴) اگر میڈیکل، پرچیز اور اکاؤنٹ ڈیپارٹمنٹ کا غیر جانبدارانہ آڈٹ کروایا جائے تو لاکھوں روپے کا گھپلا ملے گا۔

(۵) وہ کاریں جو غیر ملکی چھوڑ گئے ہیں بغیر کسی مرمت کے بالکل تباہ ہو رہی ہیں۔ جو بیسیوں کاریں موجود ہیں وہ افسران کے بچوں، بیویوں اور عیاشی کے لیے استعمال ہوتی ہیں یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ پچھلے منیجر ایڈمنسٹریشن نے کار کو "اس بازار میں" جانے کے لیے بھی استعمال کیا اور یہ بات حکامِ بالا کے نوٹس میں ہے۔

(۶) افسران کے کرایہ آمد و رفت پر سالانہ دو لاکھ روپے خرچ ہوتے ہیں، آٹے دال کے لیے افسران بھرتی کیے گئے ہیں

(۷) جہاں تک ملازمین کے رشتہ داروں کو بھرتی کرنے کا تعلق ہے یہ بات سچ معلوم ہوتی ہے کیونکہ صرف افسران کے رشتہ دار ہی بھرتی ہوتے ہیں، مزدوروں کے رشتہ داروں کو تو گیٹ سے ہی واپس کر دیا جاتا ہے۔

(۸) اشتہار میں کہا گیا ہے کہ ہر دو سال میں ترقی دی جاتی ہے سو یہ بھی افسران کے رشتہ داروں اور چمچوں کے لیے ہے۔

(۹) جہاں تک اعلیٰ تنخواہوں کا تعلق ہے مشین ٹول کے مزدوروں میں بہت کم ایسے ہیں جو میٹرک پاس نہ ہوں لیکن تنخواہ عام مِل مزدوروں سے زیادہ نہیں بلکہ پاکستان

جبری تالہ بندی سے دو روز قبل فیکٹری کی بلڈنگ پر مشین گنیں فٹ کر دی گئیں

کے دیگر انجنیئرنگ پروجیکٹ کی نسبت کم تنخواہیں ملتی ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ہنر مند اتنی ہی تنخواہ پاتے ہیں جتنی کہ کوئی بھی ہنر مند انجنیئرنگ کے کارخانے میں پا سکتا ہے۔

(۱۰) یہ امر بہت مضحکہ خیز ہے کہ زچگی الاؤنس درجہ چہارم کو پچاس روپے اور درجہ سوم کو ۱۵۰ روپے دیئے جاتے ہیں جبکہ افسران کو پانچ سو سے لے کر پندرہ سو روپے تک دیا جاتا ہے۔ قارئین کو حیرت ہوگی کہ انتظامیہ زچگی الاؤنس کو مساوی کرنے پر راضی نہیں جب کہ سب کی تکلیف برابر ہے!

اب میں اس تنازعے کا ذکر کردوں جس کی وجہ سے منتظمین نے تالابندی کی۔ اور ملک کے اس دفاعی نوعیت کے ادارے کی پیداوار کو روک دیا۔

یونین نے مطالبہ کیا تھا کہ پی آئی ڈی سی کی اپنی وضع کردہ پالیسی لیٹر مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۶۹ء کا اطلاق مشین ٹول پر بھی کیا جائے۔ جس میں کراچی میں قائم پی آئی ڈی سی کے تمام اداروں میں مساوی مکان کرایہ اور کرایہ آمد و رفت دینے کا ذکر ہے۔ اور چیئرمین نے اس بات کو اصولاً تسلیم کیا ہے لیکن جب سے ہیڈ آفس ملازمین کے کرایہ مکان اور کرایہ آمد و رفت میں اضافہ کیا تھا تو اس تاریخ کی بجائے یکم ستمبر سے واجبات ادا کرنے کا اعلان کرتے ہوئے یہ بے ہودہ شرط عائد کر دی کہ ان الاؤنسس کی ادائیگی مارچ ۱۹۷۳ء میں ہوگی، جبکہ یونین کا موقف یہ تھا کہ اسی تاریخ یعنی مارچ ۱۹۷۲ء سے ادائیگی کی جائے جب کہ ہیڈ آفس کو کی گئی ہے۔ انتظامیہ نے اس بات پر جھگڑا کھڑا کیا اور لاک آؤٹ کی غیر قانونی حرکت کر کے ملکی پیداوار کو نقصان پہنچایا۔

ہمارا دوسرا مطالبہ تھا کہ ۱۹۶۹ء کے معاہدہ کے تحت خصوصی الاؤنس دو۔ لیکن منتظمین نے اس سے بھی انحراف کیا۔ ہم ضرور قانونی چارہ جوئی کرتے مگر انتظامیہ نے کوئی موقع دیئے بغیر لاک آؤٹ کر دیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حالات سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پیدا کیے گئے۔ اس منصوبے میں پی آئی ڈی سی، صوبائی اور مرکزی انتظامیہ شامل ہیں اور وہ منصوبہ یہ ہے کہ مشین ٹول میں خوامخواہ کا تنازعہ کھڑا کر کے کراچی کی تباہ پر پوری مزدور برادری کو مشتعل کر کے مزدور تحریک کو کچلنے کا موقع حاصل کیا جائے۔

انتظامیہ کی جانب سے اس طرح کے حالات پیدا کر کے ملکی مفادات کو نقصان پہنچانے کے سوا اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ مشین ٹول فیکٹری کے ڈھائی ہزار مزدوروں پر "لازمی سروس" کا کلہاڑا چلا کر انہیں کام پر بلایا گیا ہے اور ۹ راکتوبر سے غیر قانونی لاک آؤٹ ختم کر دیا گیا ہے۔ مشین ٹول فیکٹری کے ڈھائی ہزار مزدوروں کی حمایت میں عام گرفتاریوں اور تالہ بندیوں کے خلاف جو جدوجہد لانڈھی کورنگی کے ۸۰ ہزار مزدوروں نے یکجہتی، اتحاد اور بہادری سے کی ہے، میں مشین ٹول کے ڈھائی ہزار مزدوروں کی جانب سے اس کا بہت مشکور ہوں۔ لانڈھی کورنگی لیبر آرگنائزنگ کمیٹی نے جس مزدور دوستی اور مزدور اتحاد کا مظاہرہ کیا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ سائٹ کی جن مزدور تنظیموں نے ہمارا ساتھ دیا ہم ان کے بھی ممنون ہیں باس امر کے باوجود کہ یہ ان کا طبقاتی فریضہ تھا۔

تاکہ پیداوار میں اضافہ ہو۔ جب تک ان نا اہل افسران کے ہاتھ میں انتظامات رہیں گے ملکی پیداوار گھٹے گی بڑھے گی نہیں۔ ایس ڈی ایم کینیٹ ممتاز بیگ نے مکمل بادشاہی بنائی ہوئی ہے اور نادر شاہی احکامات کے ذریعے مزدوروں کے جمہوری حقوق کو دبا رہا ہے۔ اسے فوراً برطرف کیا جائے۔

کراچی میں اس وقت تقریباً ایک سو سے زائد کارخانوں میں تالہ بندی ہے لیکن حکومت ان معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ موجودہ نام نہاد عوامی حکومت سرمایہ داروں کے سامنے جھک گئی ہے اور وسیع پیمانے پر گرفتاریاں وغیرہ کر کے مزدور تنظیموں کو کرش کرنا چاہتی ہے۔ شاید جون والا واقع بھول گئی ہے۔ مزدور آج بھی اس ریاستی طاقت کا جواب گلی کی طاقت سے دینے

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

شاہ حسین

اسرائیل سے

پینگیں بڑھا رہے ہیں





شاہ حسین کے منصوبۂ امن کا اصل خالق ایک مصری یہودی ہے

دریائے اُردن کے مغربی کنارے پر شاہ حسین اور اسرائیلی رہنماؤں کی ملاقاتیں

الفتح رپورٹ

شاہ حسین نے مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک سے کٹ کر اسرائیل سے براہ راست خفیہ معاہدہ کی تفصیلات طے کرلیں مارچ ۱۹۷۲ء میں اردن کے شاہ حسین نے اعلان کیا تھا کہ وہ اسرائیل سے امن کا معاہدہ کریں گے۔ انہوں نے معاہدے کی کچھ تفصیلات بھی بیان کی تھیں جس کی روشنی میں اردن اور اسرائیل کے درمیان خفیہ تعلقات کا قیام آزاد اور ترقی پسند عوام کے لیے کچھ زیادہ حیرت انگیز انکشاف نہیں ہے۔

شاہ حسین نے جس منصوبے کا اعلان کیا تھا اس کا اصل خالق مصر کا ایک یہودی نادو سفران ہے۔ جو ہنری کیسنگر کا مشیر ہے۔ ۱۵ مارچ ۱۹۷۲ء میں عمان کے ایک عام جلسے میں اس منصوبے کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس کی تفصیلات طے کرنے کے لیے شاہ حسین نے گزشتہ سال دریائے اردن کے مغربی ساحلی علاقے میں اسرائیلی رہنماؤں سے خفیہ ملاقات کی تھی۔ شاہ حسین اور اسرائیلی رہنماؤں کے درمیان یہ نشست تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہی جس میں اس منصوبے کے اہم نکات طے کیے گئے۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد شاہ حسین سیدھے عمان پہنچے اور سرکاری مشینری سے تعلق رکھنے والے اہم اور بااثر افراد کو "بریف" کرکے ان کی حمایت حاصل کی۔ اردن میں رہنے والے فلسطینی نمائندوں نے اس منصوبے کو مسترد کردیا۔ لیکن شاہ حسین نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی اور اس منصوبے کو اول تا آخر عملی جامہ پہنانے کا منصوبہ بنالیا۔ بعض فلسطینی رہنماؤں کو مخالفت کے جرم میں جیل کی کال کوٹھڑیوں میں بند کردیا گیا، انہیں اذیت ناک سزائیں دی گئیں۔ ان کے ہاتھ پیر توڑ کر انہیں مفلوج کردیا گیا۔

اردن اور اسرائیل کے درمیان تعلقات کی بحالی کے سلسلے

اُردن اور اسرائیل کے درمیان تجارتی تعلقات کا آغاز

میں ادھر جو چند نئی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ طے شدہ معاہدے پر عملدر آمد شروع کر دیا گیا۔ اسرائیل نے دریائے اردن کے مقبوضہ مغربی ساحلی علاقوں میں اردن کے قوانین کے مطابق میونسپل انتخابات کرائے ہیں۔ ووٹنگ کا حق اردن کے قانون کے مطابق صرف ان لوگوں کو دیا گیا جو ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ اس طرح صرف آٹھ فیصد لوگوں نے ووٹ دیا۔ کیا اسرائیل، شاہ حسین کی رضامندی کے بغیر یہ اقدام کر سکتا تھا؟

شاہ حسین اور اسرائیل کے منصوبے کو کامیاب بنانے کے لیے دوسرا اہم قدم یہ اٹھایا گیا کہ اردن اور اسرائیل کے درمیان آمدورفت پر تمام پابندیاں ختم کر دی گئیں۔ البتہ پابندیاں صرف ان پر بدستور قائم رکھی گئیں جن کے نام بلیک لسٹ میں ہیں۔ اس اقدام کے ساتھ ہی اسرائیل اور اردن کے درمیان تجارتی تعلقات قائم ہو چکے ہیں۔ وادیٔ حسین پل سے روزانہ کئی مال بردار ٹرک بلا روک ٹوک ایک ملک سے دوسرے ملک میں آتے جاتے ہیں۔

مصر کے یہودی نادو سفران نے بڑی چالاکی سے ایک ایسا منصوبہ تیار کر کے شاہ حسین کے حوالے کیا ہے کہ وہ امریکی سامراج اور اسرائیلی توسیع پسندوں کے اشارے پر فلسطینی تحریک کی پشت میں چھرا گھونپ سکیں۔ اس منصوبے کے مطابق شاہ حسین دریائے اردن کے مغربی ساحلی علاقوں میں نام نہاد "فلسطینی ریاست" کے قیام کے لیے اسرائیل سے کسی حد تک خود مختاری کی ضمانت حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ اسرائیل کے زیر اثر اردن اور مغربی ساحلی علاقوں کو ملا کر "متحدہ عرب امارت" کے قیام کی اسکیم مکمل کی جا سکے۔ اس سلسلے میں قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں کہ اسرائیل اپنے ناپاک منصوبے کی تکمیل کے لیے کچھ مقبوضہ علاقے شاہ حسین کے حوالے کر دے گا تاکہ وہ مستقل طور پر سامراج کے ایجنٹ کی حیثیت سے اپنا "منفی کردار" ادا کرتے رہیں۔

عرب دنیا کے ترقی پسند اور جمہوری ممالک اس کھیل کا بغور جائزہ لے رہے ہیں۔ وہ اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو گیا تو فلسطینی حریت پسندوں کی جدوجہد آزادی کو مکمل طور پر کچل دیا جائے گا کیونکہ نام نہاد "فلسطینی ریاست" اسرائیلی توسیع پسندوں کے مقاصد اور مفادات میں ہوگی۔ شاہ حسین اس امریکی اور اسرائیلی منصوبے کو ہر قیمت پر کامیاب بنانا چاہتے ہیں وہ اس بات سے سخت خوفزدہ ہیں کہ ۱۹۶۷ء کی اسرائیلی جارحیت کے بعد اردن میں فلسطینی تحریک روز بروز مقبول ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا اثر اردن کے ان علاقوں میں بھی ہو رہا ہے، جو ان دنوں اسرائیل کے قبضے میں ہیں۔

۱۹۷۰ء میں اردن کے رجعت پسند حکمران ٹولے نے فلسطینی تحریک کو کچلنے کے لیے بہت بڑا اقدام کیا تھا سینکڑوں حریت پسندوں کو قتل کر دیا گیا۔ چھاپہ ماروں کے خفیہ ٹھکانوں پر طیاروں سے بم برسائے گئے فلسطینی بستیوں کو ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے ویران کر دیا گیا فلسطینیوں کے قتل عام میں عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور بیماروں تک کا خیال نہیں رکھا گیا۔ اردن میں فلسطینی عوام کے خلاف وسیع انتقامی کارروائیوں کے بعد حریت

اُردن اور اسرائیل کے
درمیان آمدورفت پر
سے تمام پابندیاں
ختم کر دی گئیں

پسند رہنماؤں کے ایک طبقے نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ آئندہ سے اردن کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے۔ اس فیصلے سے تباہ کن نتائج برآمد ہوئے۔ شاہ حسین نے ۱۹۷۰ء میں فلسطینی حریت پسندوں کے خلاف پے در پے فوجی کارروائی کر کے تحریک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اس وقت سے اب تک اردن میں فلسطینی جدوجہد آزادی کو مسلسل کمزور کرنے کی سازشیں جاری ہیں۔ اردن کے حکام نے دریائے اردن کے مشرقی ساحلی علاقے میں حریت پسندوں کے مقابلے میں آبادکاری شروع کر دی جس کا واحد مقصد مشرقی اور مغربی کناروں کی آبادی کے درمیان تحریک کے خلاف غلط فہمی کو ہوا دینا ہے اور اسرائیل کے لیے ہمدردی کے جذبات پیدا کرنا ہے۔ شاہ حسین اپنے اس مقصد میں کامیابی کے لیے سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی اسٹیٹ مشینری دن رات لوگوں کو یہ باور کرانے میں مصروف ہے کہ اگر اسرائیل سے کوئی معاہدہ ہو گیا تو وہ دونوں حصوں کے عوام کے مفاد میں ہوگا۔ اسرائیل سے براہ راست معاہدہ کے لیے پراپیگنڈہ مہم کو تیز کر دیا گیا ہے۔

۱۹۴۶ء میں جب برطانیہ نے اردن کو آزادی کا پروانہ دیا اس وقت بھی برطانوی سفیر کو اردن کے مالیاتی فوجی اور خارجہ پالیسی کے معاملے میں مکمل اختیارات حاصل تھے۔

اردن نے ۱۹۵۰ء سے اسرائیل سے خفیہ تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور در پردہ وہ مذاکرات جاری ہیں لیکن شاہ حسین اردن میں مؤثر فلسطینی تحریک سے خوفزدہ رہے ہیں، اس لیے کبھی کھل کر اسرائیل سے پینگیں بڑھانے کی جرأت نہیں کی۔ البتہ خفیہ مذاکرات اور جوڑ توڑ کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ محب وطن اور ترقی پسند عناصر کا اثر تھا کہ جب اردن نے معاہدۂ بغداد میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا تو عوامی سطح سے اس کے خلاف زبردست مزاحمت کی گئی۔ جنوری ۱۹۵۶ء میں پورے اردن میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ شاہ طلال حسین نے معاہدۂ بغداد میں شمولیت کے سلسلے میں الیکشن کرانے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن عوام کی بھرپور مخالفت کے سبب الیکشن کو ملتوی کرنا پڑا۔ شاہ نے عوام کے غیض و غضب کو دیکھتے ہوئے معاہدۂ بغداد سے علیحدہ رہنے کا فیصلہ کیا۔

اردن کا حکمران ٹولہ آج بھی ملک میں ترقی پسند عناصر کو کچلنے اور دبانے کی پالیسی پر گامزن ہے۔ لیکن اردن کے ترقی پسند عوام فلسطینی حریت پسندوں کی جدوجہد آزادی میں بھرپور ساتھ دے رہے ہیں۔ اردنی حکام انہیں تباہ و برباد کرنے کے تمام ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں مگر اردن کے عوام فلسطین کی جدوجہد آزادی میں فلسطینی حریت پسندوں کے شانہ بشانہ جنگ لڑیں گے۔

"صنعت کو زراعت کی مدد کرنی چاہیئے" (صدر ماؤ)

طلبا، مزدوروں سے تکنیکی اور سیاسی تعلیم حاصل کرتے ہیں

سفرنامہ چین ۵



احفاظ الرحمان

پانچ اگست کو صبح ۹ بجے ہم لنگ شیئن کاؤنٹی کی تنگ فانگ ہونگ (مشرق سُرخ ہے) مشین فیکٹری دیکھنے گئے۔ اس فیکٹری کی انقلابی کمیٹی کے صدر سُنگ تھائے شان اور نائب صدر لی مان چھانگ ہیں۔ یہ ایک چھوٹی سی فیکٹری ہے۔ کل چھ ورکشاپ ہیں جہاں کل تین سو مزدور کام کرتے ہیں۔ جب میں اپنے مترجم شوئے الگ چے اور کاؤنٹی کی انقلابی کمیٹی کے ذمہ دار رکن چھنگ شوئے چھن کے ہمراہ کار سے اتر کر گیٹ میں داخل ہُوا تو چاروں طرف کھڑکیوں سے مزدور میری طرف دیکھنے لگے۔

"ہم پاکستانی عزیز دوست کا خیر مقدم کرتے ہیں !!"

انقلابی کمیٹی کے صدر سُنگ تھائے شان میرے مترجم کہہ رہے تھے۔ میرے مترجم نے اس کا ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ انہیں معلوم تھا کہ مَیں جہاں کہیں جاتا ہوں، اس جُملے سے ضرور سابقہ پڑتا ہے اور یہ جُملہ مجھے ازبر ہو چکا ہے۔

انقلابی کمیٹی کے ذمہ دار ارکان مجھ سے باتیں کرتے ہوئے ہمیں اپنے دفتر میں لے گئے۔ چائے کے بڑے بڑے مگ ہمارے سامنے رکھے ہوئے تھے۔ ایک مزدور نے میری طرف سگریٹ بڑھائی۔ بغیر چینی کی چائے کی چُسکیاں لیتے ہوئے سُنگ تھائے شان مجھے اس چھوٹے سے کارخانے کی داستان سنانے لگے۔

"یہاں زرعی اصلاحات کے بعد ۱۹۴۸ء میں پانچ کسانوں نے دستکاری کی امدادِ باہمی کی ایک انجمن قائم کی تھی جہاں چھوٹی چھوٹی چیزیں تیار کی جاتی تھیں۔ رفتہ رفتہ مزدوروں کی تعداد اور پیداوار میں اضافہ ہونے لگا اور ایک چھوٹے سے کارخانے کی شکل اختیار کرنے لگا۔

۱۹۵۸ء میں یہ کارخانہ مقامی حکومت کے زیرِ انتظام آ گیا۔ اس وقت تک اس کارخانے کی پیداوار محدود تھی۔ لنگ شیئن ایک زرعی علاقہ ہے۔ اس لیے یہاں کے تمام کارخانے کِسی نہ کِسی صورت میں زراعت سے متعلق ہیں چنانچہ "صنعت کو زراعت کی امداد کرنی چاہیئے" کے اصول پر اس کارخانے کے دائرۂ کار میں اضافہ کر دیا گیا اور اس میں کسانوں کی زیادہ سے زیادہ زرعی ضروریات کی تکمیل کرنے کے لیے پہلے سے بڑے پیمانے پر کام شروع کر دیا گیا۔

اس وقت یہاں کل تین سو مزدور کام کرتے ہیں کل



زرعی آلات کے کارخانے کا ایک مزدور

چھ ورکشاپ اور ایک سو سے زیادہ مشینیں ہیں۔ مزدور عورتوں کی تعداد پچاس ہے۔ مزدوروں کی اوسط تنخواہ چالیس یوان (ایک یوان اب ساڑھے چار روپے کے برابر ہے) ہے ریٹائرڈ ملازمین کو تنخواہ کا ساٹھ فیصد سے اسی فیصد حصہ پنشن کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے۔ گویا اگر کسی مزدور کی تنخواہ پچاس یوان ہے تو ریٹائر ہونے کے بعد اُسے زندگی بھر ہر ماہ چالیس یوان پنشن کے طور پر ادا کیے جاتے ہیں۔ مزدوروں کو انشورنس کا تحفظ حاصل ہے اور طبی سہولیات کے لیے ان سے ایک پائی بھی وصول نہیں کی جاتی۔

کارخانے کی انقلابی کمیٹی کل گیارہ ارکان پر مشتمل ہے کارخانے میں کمیونسٹ پارٹی کے اراکین کی تعداد پچاس ہے۔ انقلابی کمیٹی کے گیارہ ارکان میں سے سات اراکین کمیونسٹ پارٹی کے ممبر ہیں"۔ میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے سُنگ تھائے شان نے کہا —— "پیداوار کا منصوبہ ہمیں رہنما ادارے کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ ہم اسی منصوبے کے مطابق مشینیں تیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف کمیون بھی اپنی ضروریات کے مطابق ہمیں آرڈر دیتے رہتے ہیں۔ اگر ان کی کوئی مشین خراب ہو جاتی ہے تو ہم اسے یہاں درست کرتے ہیں یا ہمارے کارخانے کا کوئی مزدور ان کے کمیون میں جا کر اس کی مرمت کر دیتا ہے۔ ہم کمیونوں میں جا کر کسانوں کی ضروریات کے مطابق معلومات حاصل کرتے ہیں اور ان سے مشورے کرتے ہیں۔ ان دنوں ہمارے پاس مرمت کا کام زیادہ آتا ہے۔ ہمیں اپنے کسان بھائیوں کی مدد کر کے بے انتہا خوشی ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں اناج

ریٹائرڈ ملازمین کو تنخواہ کا اسّی فیصد حصّہ پنشن کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔

بیسنے، گھاس کاٹنے، کھاد ڈالنے اور بوائی اور کٹائی کی مشینیں بنائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہم مشین سازی کی مشینیں بھی بناتے ہیں جو دوسرے کارخانوں کو سپلائی کی جاتی ہیں۔"

ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے ٹُنگ تھائے شان نے بتایا ——— "یہ ہمارے یہاں نیم مشین کاری کا دور ہے ابھی مشینوں کا استعمال پچاس فیصد ہے لیکن اگلے پانچ سالوں میں ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ تمام ہموار زمینوں پر پوری طرح مشینوں کا استعمال کریں۔ اس کاؤنٹی میں اس قسم کے تین کارخانے اور ہیں۔ اور ہم مل کر کسانوں کی تمام مشینی ضروریات پوری کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔"

"کیا یہاں طلبا بھی اپنی تعلیم کے دوران لاؤ تنگ (جسمانی محنت) میں حصہ لینے آتے ہیں؟"

"جی ہاں! عام طور پر مختلف تعلیمی اداروں کے طلبا کو ہمارے کارخانے میں تربیت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ وہ یہاں مزدوروں سے سیاسی اور تکنیکی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ مزدور انہیں ماضی کے تلخ واقعات سناتے ہیں تاکہ وہ موجودہ معاشرے کے فیوض سے آشنا رہیں۔"

اس کے بعد ہم مزدوروں کے نمائندے اور انقلابی کمیٹی کے ارکان کے ساتھ کارخانے کی مختلف ورکشاپوں میں گئے۔ ہر مشین پر مزدور عورتیں اور مرد بڑے انہماک سے کام کر رہے تھے۔ وہ کام کرتے کرتے سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھنے لگے۔ ان کی نگاہوں میں محبت اور دوستی کے جذبات امڈ رہے تھے ——— "ہم جہاں کہیں ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ ہیں!"

اقتدار محنت کشوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو ان کے حوصلے بلند ہوتے ہیں اور ان میں اپنے فرائض کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ مشینیں دھڑا دھڑ چل رہی تھیں اور ان کی دھن پر لنگ شیئن کی فضا میں خوش حالی کے نغمے بکھر رہے تھے۔ تنگ فانگ ہونگ کارخانے سے باہر نکل کر جب ہماری کار لنگ شیئن کے ہرے بھرے کھیتوں کے درمیان گزر رہی تھی تو میں سوچ رہا تھا ——— "کسان اور مزدور جب مل کر کسی محاذ پر ڈٹ جاتے ہیں تو وہ کتنی بڑی طاقت بن جاتے ہیں!"

ساڑھے دس بجے ہم کیمیاوی کھاد کا کارخانہ دیکھنے گئے۔ اس کارخانے کی تعمیر کا کام ۱۹۶۸ء میں شروع ہوا اور ۱۹۷۰ء میں مکمل ہوا۔ یہ کارخانہ لنگ شیئن کے کسانوں کو کیمیاوی کھاد فراہم کرتا ہے۔ اس کارخانے کے قیام کے بعد سے زرعی پیداوار میں بہت اضافہ ہوا ہے۔

اس کارخانے کی ماہانہ پیداوار گیارہ ہزار ٹن ہے۔ یہ کھاد پلاسٹک کے تھیلوں میں بھر کے کمیونوں کو بھیجا جاتا ہے۔ یہاں کل ۲۸۰ مزدور کام کرتے ہیں۔ بیشتر مزدور نوجوان ہیں۔ پڑوسی صوبے شانسی کے نوجوان بھی یہاں تربیت حاصل کرنے آتے ہیں۔ خود اس کارخانے کے مزدور شنگھائی سے تربیت حاصل کر کے آتے ہیں۔ پانچ ماہ کی تربیت کے بعد وہ اس قابل ہو گئے کہ وہ اچھی طرح اس کارخانے کا نظام چلا رہے ہیں۔

"سُرخ پرچم نہر کا اس کارخانے سے کیا تعلق ہے؟"



احفاظ الرحمٰن دشی آن میں، بیرونی امور کے ذمہ دار رکن ینگ خوئے اور آٹھویں روٹ فوج کے دفتر رابطہ کی ایک رکن کے ساتھ

میرے سوال کے جواب میں انقلابی کمیٹی کے ایک رکن نے بتایا ——— "لنگ شیئن میں بجلی کی قلت تھی۔ سُرخ پرچم نہر کی تکمیل کے بعد بجلی کی مقدار میں اضافہ ہو گیا۔ اگر سُرخ پرچم نہر نہ بنتی تو ہم یہ کارخانہ قائم نہیں کر سکتے تھے۔ ہمیں بجلی کے لیے ہر گھنٹے پانچ سو ٹن پانی درکار ہوتا ہے۔ سُرخ پرچم نہر کے بغیر ہماری ضروریات پوری نہیں ہو سکتی تھیں۔"

ابھی یہ کارخانہ لنگ شیئن کی صرف پچاس فیصد ضروریات

مزدور کسان جب مل کر کام کرتے ہیں تو سب سے بڑی قوّت بن جاتے ہیں



زرعی آلات کے کارخانے کی ایک کارکن



زرعی آلات کے کارخانے کی ایک رکن

مزدوروں کو رہائش، بجلی اور علاج معالجے کی مفت سہولتیں حاصل ہیں

پوری کر سکتا ہے۔ اس لیے ابھی اس بات پر غور کیا جا رہا ہے کہ کس طرح یہ کارخانہ کمیونوں کی ضروریات کی پوری طرح تکمیل کر سکتا ہے۔

کارخانے کے قریب ایک بریگیڈ ہے۔ کیمیاوی کھاد استعمال کرنے سے پہلے اس کی فی "مُو" پیداوار دو سو "جن" سے بھی کم تھی۔ لیکن اب فی مو چار سو جن اناج حاصل ہوتا ہے ———!

کارخانے کے ایک مزدور نے بتایا کہ کیمیاوی کھاد کے استعمال سے اس وقت عام طور پر بیس فیصد اضافہ ہوتا ہے۔ ایک ٹن کیمیاوی کھاد کی لاگت ۱۸۰ یوان ہے اور کمیونوں کو ۲۱۰ یوان فی ٹن کے حساب سے سپلائی کی جاتی ہے۔ ۲۵ کلوگرام کھاد سے دو "مو" زمین کو قابلِ کاشت بنایا جا سکتا ہے۔

کارخانے کی انقلابی کمیٹی کے ذمے دار ارکان اپنے وسائل کی روشنی میں مقامی حکومت کو منصوبہ بنا کر پیش کرتے ہیں کہ وہ اس سال اتنی مقدار میں کھاد فراہم کر سکتے ہیں۔

مزدور عورتوں کی تعداد چالیس ہے۔ چونکہ اس کھاد میں امونیا کا استعمال ہوتا ہے اس لیے مخصوص مشینوں پر کام کرنے والے مزدوروں کو خصوصی الاؤنس دیا جاتا ہے مزدوروں کو رہائش، بجلی اور علاج معالجے کی سہولتیں حاصل ہیں۔ اور ان کے لیے ان سے ایک پائی بھی وصول نہیں کی جاتی۔

دو بجے ہم لنگ شیئن سے شی آن جانے کے لیے ٹرین میں سوار ہوئے۔ شام کو چھ بجے ہم شی آن پہنچے۔ بیرونی امور کے ذمہ دار رکن چین ینگ خوئے ہمیں لینے کے لیے اسٹیشن پر موجود تھے۔ وہ ہمیں اپنے ساتھ ہوٹل لے گئے۔ جہاں ہم نے مل کر شی آن میں قابلِ دید مقامات دیکھنے کا پروگرام بنایا۔

شی آن تین ہزار سالہ پرانا شہر ہے۔ دو ہزار آٹھ سو سال پہلے چین کا دارالحکومت تھا۔ سب سے پہلے مغربی چو خاندان نے اسے دارالحکومت بنایا تھا۔ کل گیارہ شاہی خاندان کا صدر مقام رہا جن میں چو، چین اور تھانگ خاندان زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اس وقت شی آن کی آبادی تیرہ لاکھ ہے جو مضافات کو ملا کر ۲۴ لاکھ ہو جاتی ہے۔ یہ شانسی صوبے کا سب سے بڑا اور اہم شہر ہے۔ آزادی کے وقت اس کی آبادی صرف چار لاکھ تھی ——— انقلاب کا مقدس شہر، ینان اس کے شمال میں ۴۰۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

کومنتانگ کے زمانے میں اس شہر کو بڑی تباہیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کومنتانگ نے شی آن کے محلّے کے محلّے اجاڑ ڈالے۔ آزادی کے بعد تمام عمارتوں کی ازسرِنو مرمت کی گئی۔ اب یہ ایک صنعتی شہر بن چکا ہے۔ یہاں کل ملا کر سوا ہزار کارخانے ہیں۔ پارچہ بافی اور بجلی کے سامان کے لیے شی آن بہت مشہور ہے۔ آزادی کے وقت یہاں صرف دو چھوٹے سے کالج تھے۔ اس وقت یہاں گیارہ کالج اور یونیورسٹیاں، ایک سو اسّی مڈل سکول اور سولہ سو پرائمری اسکول ہیں۔

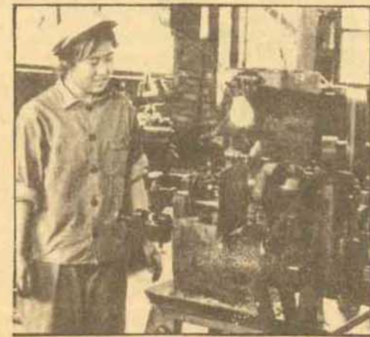
یہاں میں نے جو مقامات دیکھے ہیں ان میں آٹھویں روٹ فوج کا دفترِ رابطہ اور "HOT SPRING POOL" جہاں چین کے دو سرداروں چیانگ اور ملیانگ نے چیانگ کائی شک کو گرفتار کیا تھا، قابلِ ذکر ہیں۔ ان مقامات کا ذکر آگے آئے گا۔



لنگ شیئن کے زرعی آلات کے کارخانے کا ایک مزدور

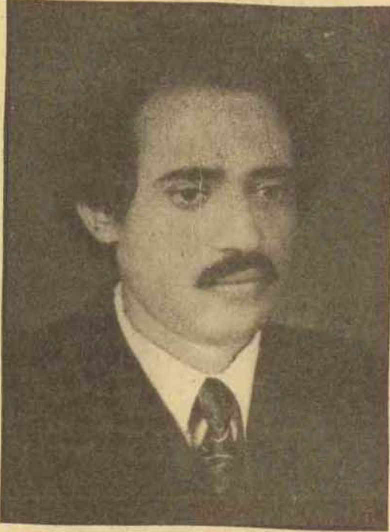


دو مزدور پریسنگ مشین پر کام کر رہے ہیں



ایک کمیون کے کارخانے کی ایک مزدور

انور علیمی



اَب ہماری تمہاری کھُلی جنگ ہے

یہ نظم ۱۹۷۰ء کے آخری ایام میں نیو سنٹرل جیل بہاولپور میں لکھی گئی تھی۔ رہائی ملنے پر نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے سالانہ اجلاس کے موقع پر لیبر ہال لاہور میں پڑھی گئی اور وہیں سے یہ نظم ایک ملک گیر نعرے کا روپ دھار گئی۔ شہر شہر، گلی گلی، کوچے کوچے میں ایک ہی نعرہ تھا ؎
"ظالمو، جابرو۔ اب ہماری تمہاری کھُلی جنگ ہے"۔ —— (انور علیمی)

اب ہماری تمہاری کھُلی جنگ ہے
اے درندہ سرشت آمرو، حاکمو،
اب ہماری تمہاری کھُلی جنگ ہے
زر پرستو، لٹیرو، اے غارت گرو،
شمرؔ و شدّادؔ و نمرودؔ کے ہمسرو،
خونِ اِبنائے آدم کے بیوپاریو،
لحمِ انساں کے بدکار سوداگرو،
جُثۂ آدمیت پہ جھپٹے ہُوئے،
خونخوارو، اے انساں نما بھیڑیو،

وقت کے اے یزیدانِ مسند نشیں
غاصبو، رہزنو، ظالمو، جابرو،
اب ہماری تمہاری کھُلی جنگ ہے
اے درندہ سرشت آمرو، حاکمو
اب ہماری تمہاری کھُلی جنگ ہے
ہم ہیں باغی ہمارا یہ اعلان ہے
ہم نہیں مانتے ظلم کے ضابطے،
سر کٹے، خوں بہے، جاں لٹے کچھ بھی ہو
اب نہ مانیں گے ہم حکم فرعون کے

اب نہ خوفِ ستمگر، نہ ظالم کا ڈر،
ہم بلند اپنے رکھتے ہیں اب حوصلے،
ہم ہیں مائل بہ جنگ، ہم پھلانگ آئے ہیں،
ذلتوں کے بھنور، امن کے راستے،

اب ہماری تمہاری کھلی جنگ ہے
اے درندہ سرشت آمرو، حاکمو،
اب ہماری تمہاری کھلی جنگ ہے

آتشیں ابر کی مثل تم آج تک
جھونپڑوں پہ ہمارے رہے شعلہ زن
اپنے محلوں میں تم محوِ عشرت رہے
ہم تڑپتے رہے خاک پر بے کفن،
کم نصیبی ہمارا مقدّر رہی،
ہم وطن میں بھی اپنے رہے بے وطن،
تم نے برسوں پیا ہے ہمارا لہو،
تم نے نوچے ہیں صدیوں ہمارے بدن،

اب ہماری تمہاری کھلی جنگ ہے
اے درندہ سرشت آمرو، حاکمو،
اب ہماری تمہاری کھلی جنگ ہے

ہم ہیں ایذا طلب ہم کو ایذائیں دو
لے کے خنجر ہمارے جگر کاٹ دو
اب کرو تیشۂ جور گرمِ جفا
فصلِ انسانیت کے ثمر کاٹ دو
ہم کو محبوس کر لو درونِ قفس
شوق سے ہم عقابوں کے پر کاٹ دو
جو بھی کچھ ہو سکے اب کرو ظالمو،
قتل گاہوں میں لے جا کے سر کاٹ دو

اب ہماری تمہاری کھلی جنگ ہے
اے درندہ سرشت آمرو، حاکمو
اب ہماری تمہاری کھلی جنگ ہے

مشتعل ہے ہجومِ ستم خوردگاں
اب ستم کے بہی خواہ مٹ جائیں گے
اب نگوں ہوں گے اربابِ دولت کے سر
اب خدایانِ ذی جاہ مٹ جائیں گے
خوگرانِ جفا جبر کے دیوتا،
اب بہر سو، بہر گاہ مٹ جائیں گے
قیصر و زار و تیمور و چنگیز و جم،
الغرض سب شہنشاہ مٹ جائیں گے

اب ہماری تمہاری کھلی جنگ ہے
اے درندہ سرشت آمرو، حاکمو
اب ہماری تمہاری کھلی جنگ ہے



افسانہ

گز گز

ریاض اقبال لودھی

دور تک بے ترتیبی سے پھیلی ہوئی گندی بدبودار جھونپڑیوں میں اس دن کوئی چولہا نہ جلا۔ کہیں سے بھی دھوئیں کی کوئی لکیر نہ اٹھی، بچے بھوک سے بلکتے رہے۔ مزدور عورتیں اتنی چالاک بھی نہیں تھیں کہ وہ عمرِ فاروق کے دور کی عورتوں کی طرح اپنے روتے، چلاّتے بیٹوں کو پتھروں سے بہلا لیتیں۔ بستی کے راستے سرِ شام ہی سو گئے تھے۔ دھول برف کی طرح جم چکی تھی۔ ہنگاموں کی وجہ سے بستی کا بازار بھی پچھلے چار دنوں سے بند تھا۔ کہیں کہیں آوارہ کتے اپنی خوراک کے لئے ادھر ادھر کونوں میں سونگھ رہے تھے۔ ہر طرف دہشت، ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔

کبھی کبھی فائرنگ کی اکّا دکّا آوازیں اس ہیبت ناک سناٹے کو توڑ دیتیں۔ عورتیں سہم کر اپنے بچوں کو گود میں چھپا لیتیں۔ بھوک سے بلکتے بچے گولیوں کی سنسناہٹ سنتے ہی اپنی معصوم چیخوں سے ماحول کی کربناکی میں اور اضافہ کر دیتے۔ فائرنگ بند ہوتے ہی عورتیں بچوں کو زمین پر لے زاری سے پٹکتیں اور دیواروں سے جھانک کر ایک دوسری سے چہ میگوئیاں کرتیں۔ اور ان مردوں کے لئے جوان کے شرعی شوہر تھے، ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتیں۔ بوڑھی عورتیں اپنے جوان بیٹوں کی خیریت کے لیے اپنے لرزتے ہاتھوں کو بلند کرتیں۔

ملوں میں ہڑتال کو بارہ روز بیت گئے تھے۔ حالات دن بدن خراب ہوتے جا رہے تھے۔ ہڑتال ختم کرانے کیلئے محافظوں نے مزدوروں پر فائرنگ شروع کر دی۔

ان عورتوں میں فاطمہ کی حالت سب سے زیادہ پریشان کن تھی۔ اس کے چھ لڑکوں نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ وہ پچھلے دو روز سے بھوکے پیاسے تھے۔ اس کا شوہر ہڑتال کے دوسرے دن ہی گرفتار ہو گیا تھا۔ اب وہ جیل میں مشقت کر رہا تھا۔ فاطمہ کو شوہر کی گرفتاری یا بچوں کی بھوک سے قطعاً کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ اُسے صرف ایک غم کھائے جا رہا تھا۔ مریم ستائیس سال کی ہو چکی ہے، عائشہ چھبیسویں سال میں ہے، رقیہ اٹھارہ سال اور تین ماہ سے اوپر کی ہو چکی ہے، ان کی ڈولی کب اُٹھے گی؟ — ان کے جہیز کے لئے کپڑے لتے، دو ڈھائی تولے سونا، برتن کہاں سے آئیں گے۔ کم بخت باپ کو تو ہر وقت لیڈری کی پڑی رہتی ہے۔ وہ ہر وقت انہی خیالوں میں غلطاں رہتی۔

بھوک اس کے نزدیک اللہ میاں کی طرف سے ایک امتحان تھا۔ یہ اس کے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ مسئلہ تھا صرف جہیز کا۔ بیٹیوں کی شادی کا۔

اسے احساس تھا، ساتھ والی جھونپڑی میں رہنے والی بھاگو کی دونوں بیٹیاں رات بھر کیوں کھانستی رہتی ہیں، وہ جانتی تھی، انہیں کیا غم اندر ہی اندر کھائے جا رہا ہے۔

اسے یاد آیا فضل کریم چھوٹی عمر میں ہی کتنی محنت و مشقت کرتا ہے۔ بیچارہ منہ اندھیرے ہی نکل کھڑا ہوتا ہے۔ اور پھر رات گئے گھر لوٹتا ہے۔ ابھی کل ہی کی تو بات ہے۔ فاطمہ کے گھر وہ پیاز لینے کے لئے آیا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے فاطمہ سے کہا۔

"خالہ جی! انشاء اللہ چند ہی ماہ کی بات ہے، میں اپنی بہنوں کی بڑی دھوم سے شادی کروں گا۔" تب اس کے چہرے پر کتنی سنجیدگی تھی۔ اُسے اس بات پر بڑی ہنسی آتی تھی۔ دس

سال کا معصوم لونڈا بھلا اتنا بڑا کام کیسے کرسکتا ہے؟ شادی اس کے لئے اتنا مشکل کام تھا، جتنا بندر روڈ کو کراس کرنا۔

فاطمہ کو اپنے بچوں کا خیال آیا۔ کم بخت ڈر کے مارے گھر میں چھپے بیٹھے ہیں۔ جیسا باپ ویسے بیٹے۔ خود جیل چلا گیا۔ اور مجھ نگوڑی کو عذاب جھیلنے کے واسطے چھوڑ گیا۔ ٹیڈی لونڈیاں ٹھیک ہی تو کہتی تھیں۔ وہ جو پچھلے سال بستی میں آتی تھیں۔ "بچے کم خوشحال گھرانا۔" ان کی اتنی سی بات پر ہم نے ان کی کیا گت بنائی تھی۔ بے چاری اچھی لڑکیاں۔ اس نے انتہائی کرب سے سوچا۔ ان پلونگڑوں نے تو زندگی حرام کردی ہے۔

وہ انہیں خیالات میں گم تھی کہ ساتھ والی جھونپڑی بھاگو اور اس کی بیٹیوں کی کربناک چیخوں سے گونج اٹھی۔ یا اللہ خیر، وہ دوپٹہ سنبھالتی ہوئی اٹھی۔ اور دوڑتی ہوئی بھاگو کی جھونپڑی میں گھس گئی۔ جھونپڑی میں فضل کریم کی خون میں لت پت لاش پڑی تھی۔ اور بھاگو اور اس کی بیٹیاں بین کررہی تھیں۔ بستی کی تمام عورتیں جھونپڑی میں اکٹھی ہو گئی تھیں۔ اور وہ سب محافظوں کو ننگی ننگی گالیاں دے رہی تھیں۔

باہر مزدوروں کی تیز آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ نجانے کیا کہہ رہے تھے۔ اَن پڑھ عورتوں کے لئے وہ لفظ اور آوازیں ناآشنا تھیں۔ تمہارا نگر، ہمارا نگر۔ ہشت نگر ہشت نگر، خونِ انقلاب، نئی صبح۔ ماتمی آوازوں اور بے پناہ شور میں یہ اَن سنے الفاظ معدوم ہو گئے۔ جھونپڑی سسکتی کراہتی رہی۔ عورتیں سینہ پیٹتی رہیں۔

فاطمہ کی سوچ کا انداز ماتمی عورتوں سے قطعاً مختلف تھا۔ وہ ہشت نگر کی گلیوں میں گھوم رہی تھی۔ جو اُس کا نگر تھا۔ کتنی اپنائیت اور خلوص تھا مزدوروں کے لہجے میں۔ تمہارا نگر، ہمارا نگر، ہشت نگر، ہشت نگر۔ نہ جانے یہ نگر کس مقام پر ہے۔ جہاں ہمارے لئے خوشیاں ہیں۔ وہاں یقیناً جوان بیٹیوں کی ڈولی اٹھتی ہوگی۔ میں کل ہی غفار بابا سے اس نگر کا پتہ پوچھوں گی۔

دوسری شام فضل کریم کا جنازہ اٹھا۔ ہزاروں مزدور وہی نعرے لگا رہے تھے۔ ان کے چہرے غیض و غضب سے سُرخ ہو رہے تھے۔ بھاگو بھی برقعہ اوڑھے جنازے کے ساتھ ساتھ ماتم کرتی چل رہی تھی۔ اور محافظوں کو بددعائیں دے رہی تھی۔ جو جنازہ کو گھیرے میں لے کر چل رہے تھے سوگوار مزدوروں نے بڑے احترام سے فضل کریم کو دفن کردیا۔ اس کی مغفرت کے لئے دعا مانگی۔ از سرِ نو جدوجہد کرنے کا عہد کیا اور گھروں کو لوٹ گئے۔

مسلسل تین دنوں تک بھاگو کی دل خراش چیخیں بستی کے راستوں میں ماتم کرتی رہیں۔ مگر چوتھے روز بستی کی عورتیں بھاگو کے خوش و خرم چہرے کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ بھاگو نے اُن کی حیرانگی جلد ہی دور کردی۔ وہ ایک ایک جھونپڑے میں گئی۔ اس نے عورتوں کو یہ نوید سنائی "دیکھو، سرکار نے مجھے دس ہزار روپے دیئے ہیں۔ میرے فضلو کی موت کا معاوضہ، اب میں دھوم دھام سے اپنی بیٹیوں کا بیاہ رچاؤں گی۔"

فاطمہ کے لئے یہ خبر دھماکہ سے کم نہیں تھی۔ وہ رات بھر کھٹملوں کی چارپائی پر لیٹی پہلو بدلتی رہی صبح کی پہلی کرن کے انتظار میں وہ سو بھی نہ سکی۔ اس کی سوچ اور نگاہ بیک وقت جوان بیٹیوں کی چارپائی کا طواف کرتی رہیں۔ دوسرے دن سویرے ہی بستی کے آخری سرے پر ایستادہ محافظوں کی کوٹھری کا دروازہ پُرشور آواز سے کھل گیا۔ محافظوں نے اپنی رائفلیں سیدھی کرلیں۔ لیکن اپنے سامنے ایک مریل سی بدصورت عورت اور چھ لڑکوں کو دیکھ کر محافظوں کے سردار نے فاطمہ سے کڑکتی آواز میں پوچھا "اے مائی۔ کیوں سویرے سویرے نیند حرام کرنے چلی آئی ہے؟"

"مائی باپ" فاطمہ گڑگڑائی۔

"میری اک عرض سن لو۔"

"جلدی کہو۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"چھوٹے سرکار، میرے چھ بچوں کو"..... الفاظ زبان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"ہاں! بول تو سہی، کیا ہوا تیرے بچوں کو"...

ایک مونچھوں والے محافظ نے اپنے ساتھی کو آنکھ مار کر کہا۔ "انھیں بھی گولی مار دو سرکار، اور مجھے دس دس ہزار روپیہ دے دو۔" اس نے بمشکل یہ لفظ ادا کئے۔

مائی تیرا دماغ خراب ہو گیا۔ ہم خواہ مخواہ کسی کو گولی نہیں مارتے۔"

"جو لوگ ہڑتال اور توڑ پھوڑ کرتے ہیں، انہیں روکنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے۔" اس کے ساتھ ہی اس نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ دوسرے محافظ بھی اس بات پر زور زور سے ہنسنے لگے۔

"چلو سوٗر کے بچو۔ ہڑتال کے دنوں میں چھپ کر نہ بیٹھتے تو ہمیں بھی روپیہ مل جاتا۔" وہ بچوں کو گالیاں بکتی مایوسی سے بستی کی طرف پلٹی۔ وہ اب بھی بڑبڑا رہی تھی۔

"نہ جانے اب ہڑتال کب ختم ہوگی؟

دفعتاً اس کے ذہن میں ایک فقرہ بازگشت بن کر ابھرا۔ "ہشت نگر، ہشت نگر۔"

"چلو میرے بچو۔ جلدی کرو۔ غفار بابا ابھی گھر میں ہی ہوگا....."

اس کے قدموں کی چاپ اور تیزی اک نئی منزل کی نوید سنا رہی تھی۔

قلعۂ لاہور "بڑے چوروں" کے لئے نہیں حریت پسندوں کے لئے ہے



سرمایہ داروں کا پریس اور یحییٰ کی وکالت

تحریر : میر عبدالقیوم

غیر آئینی طریقہ سے حکومت پر قبضہ کرنے اور ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے ٹولے کے سرغنہ یحییٰ خان کل بھی محفوظ تھا اور آج بھی ملکی قانون کی گرفت سے دور ہے۔ ابھی تک اس پر مقدمہ چلائے جانے کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے ہیں۔ اور معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عوام کی توجہ اس طرف سے ہٹتی چلی جارہی ہے۔ اور وہ پہلے کا سا دم خم اور نفرت اب عوام میں موجود نہیں۔ جس شخص کی بے راہ روی، غلط کاری اور غیر سنجیدگی کی وجہ سے ملک کا اتنا بڑا حصہ کٹ گیا۔ پاکستان کا "سنہرا بنگال" بھارت کی جھولی میں جاگرا۔ ہماری ترانوے ہزار فوج جس کی مہارت اور پیشہ وارانہ ہنرمندی کے دنیا بھر میں چرچے تھے۔ ایک سازش کے تحت بھارت کے نرغے میں چلی گئی۔ ان کے عزیز و اقارب مصائب، غم کی عمیق گہرائیوں اور آندھیوں کا شکار ہوئے۔ ملک کی ساکھ کو شدید دھچکا لگا۔ پاکستان کے عوام کا "مورال" بری طرح مجروح ہوا۔

کشمیر کے مسئلے کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا جس کی خاطر دو جیالے بیٹوں نے اپنی "جرأتِ رندانہ" کی بدولت کشمیر کی مردہ لاش کو "سرد خانے" سے نکال کر دوبارہ زندگی کی حرارت بخشی تھی۔ جنہوں نے کشمیری قوم کے سروں کو بلند کیا تھا۔ جنھوں نے کشمیری قوم کی عزت و وقار میں چار چاند لگائے تھے۔ اور اپنے عمل سے پاکستانی اور کشمیری قوم میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کیا تھا مگر انھیں یحییٰ نے اپنے مفادات کے پیشِ نظر ایک سازش کے تحت "قربانی کا بکرا" بنایا۔ اور ان کے عظیم "کارنامہ" کو "جاسوسی" کا نام دے کر اس مسئلے کو پھر وادیٔ سکرات میں ڈال دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی جموں و کشمیر محاذِ رائے شماری اور اس کے عسکری بازو جموں و کشمیر قومی محاذِ آزادی کے دو سو سے بھی زیادہ عہدیداروں اور کارکنوں کو اپنے راستہ سے ہٹانے کے لئے پاکستان اور آزاد کشمیر کے مختلف عقوبت خانوں میں رکھ کر انھیں ذہنی اور جسمانی ظلم و بربریت اور سفاکی کے ایسے ہولناک اور جان لیوا عذاب میں مبتلا کیا کہ انسانیت بلبلا اٹھی۔ ان پر شیطان کی آنت کی طرح طویل مقدمہ چلانے کا بندوبست کیا گیا۔ ان کی بیویوں، بہنوں اور بیٹیوں کو "شاہی قلعۂ لاہور" کے "بوچڑ خانہ" میں لانے اور بے آبرو کرنے کی دھمکیاں دے کر انھیں "بلیک میل" کیا گیا۔

پاکستان کا یہی قومی پریس تھا جس نے آج سے اٹھارہ ماہ پیشتر جب یحییٰ خاں اور اس کے نام نہاد "مردِ آہن" جنرل غلام عمر کا طوطی بولتا تھا۔ گنگا ہائی جیکنگ" کے عظیم "کارنامہ" کو نام نہاد بھارتی سازش کا نام دے کر خوب اچھالا اور بے گناہ محبِ وطن حریت پسندوں کو غدار کہا گیا۔

اب جبکہ وہ آمرِ مطلق اور خود سر یحییٰ خاں اور اس کے نام نہاد "مردِ آہن"، قدرت کی خاموش لاٹھی کی زد میں خود آپ آچکے ہیں اور سپریم کورٹ کا، فل بنچ بھی یحییٰ خاں کو "غاصب" قرار دے چکا ہے۔ تو ان اخبارات کی زبانیں اب کیوں گنگ ہوگئیں؟ ان کی آتش بار تحریروں کی گرمی کو کیا ہوگیا؟ کیا اس لئے تو نہیں کہ کشمیری قوم مظلوم ہے۔ ان کی یک جہتی کو پاکستان سابقہ بددیانت حکومتوں نے سازش کے تحت پارہ پارہ کردیا۔ ان کی نام نہاد لیڈر شپ کو "کرپٹ" کیا جا چکا ہے۔ آزاد کشمیر کی یہ نام نہاد "لیڈر شپ" صرف اس وقت احتجاج کرتی ہے، جب اس کے اپنے مفادات زد میں آتے ہوں، ان کی آمدن کے ذرائع متاثر ہوتے ہوں۔ کیا پاکستان کا قومی پریس اس لئے حمایت نہیں کرتا کہ وہ سمجھتا ہے کہ حدِ متارکہ کے اس طرف حریت پسندوں کی حمایت کرنے والا اس وقت کوئی بھی موجود نہیں؟

ہم پاکستانی عوام، قومی پریس اور عوامی حکومت سے یہ سوال کرتے ہیں کہ یحییٰ خان "رنگیلے" اور اس کے حکمران ٹولے کو کیوں اب تک ڈھیل دی گئی ہے؟ کیوں اب تک ان پر مقدمہ چلانے کا بندوبست نہیں ہوا؟... غداروں سے اس قدر نرمی کیوں برتی جارہی ہے؟

آجکل اس قسم کی خبریں بھی اخبارات کی زینت بن رہی ہیں، کہ یحییٰ خان نے شراب ترک کردی۔ وہ لہو و لعب کی زندگی چھوڑ کر صوم و صلواۃ کے پابند ہو گئے۔ وہ روزے رکھتے ہیں۔ ان کی بیگم ان کے لئے سحری تیار کرتی ہیں۔ کیا ان خبروں کے پیچھے کوئی خاص مقصد کام نہیں کررہا ہے....؟

یہ خبریں دراصل ایک سوچی سمجھی سازش کا پیش خیمہ ہیں۔ یہ اس کے ایجنٹوں کے چھوڑے ہوئے "فیلر" ہیں۔ لوگوں کو بے وقوف بنانے کے ہتھکنڈے ہیں۔ یہ اس کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کے طریقے ہیں۔ اس کے ایجنٹوں کی کوشش ہے کہ لوگ اس ٹولے کے گھناؤنے کردار کو بھول جائیں۔ اسے معاف کردیں اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ حال ہی میں اس قسم کی خبریں بھی آئی ہیں کہ یحییٰ خاں نے حکومتِ پاکستان سے درخواست کی ہے کہ اس کے خلاف چونکہ عوام کا جوش اب ٹھنڈا ہو چکا ہے۔ اس لئے انھیں اب حفاظتی نظربندی میں رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہا۔ لہٰذا اسے آزاد کردیا جائے۔

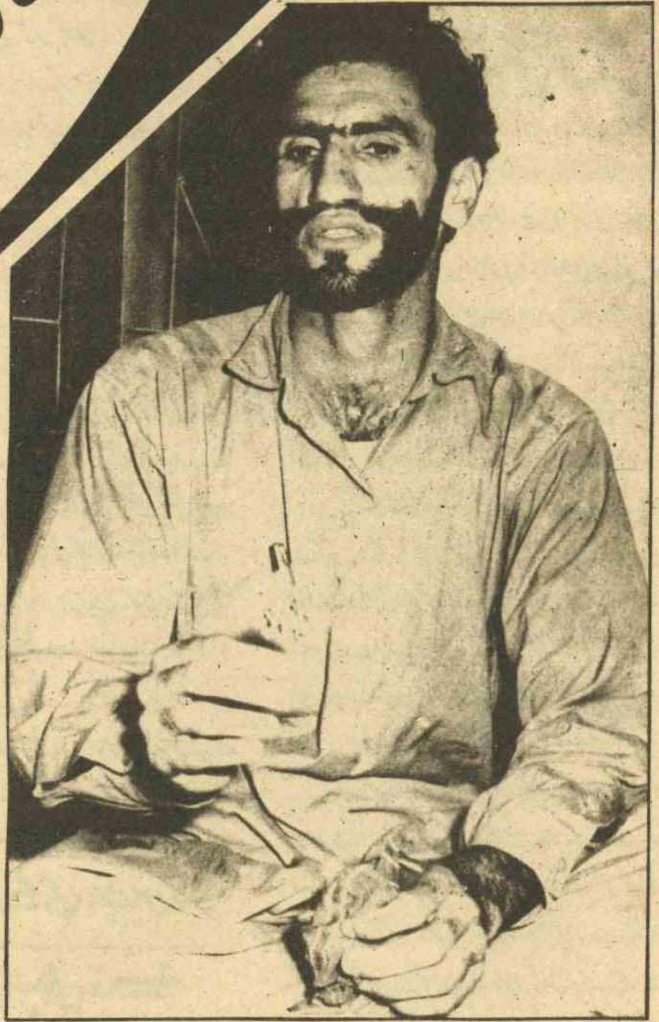
ہم عوامی حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ — پاکستان کو برباد کرنے والے "رنگیلے ٹولے" پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلائے تاکہ اس کے تمام گھناؤنے کارنامے کھل کر عوام کے سامنے آجائیں اور پھر اس غاصب

باقی صفحہ ۴۳ پر ملاحظہ فرمائیں

بلوچستان میں کیا ہو رہا ہے؟

میر عبدالکریم بزنجو کو ابھی تک عدالت میں پیش نہیں کیا گیا

تحریر: ع۔ش تربت



صوبہ بلوچستان ایک نہایت ہی پسماندہ علاقہ ہے۔ یہاں پر ۹۹ فیصد لوگ ان پڑھ ہیں۔ لوگوں کا پیشہ کھیتی باڑی اور بھیڑ بکریاں پالنا ہے۔ اس لئے ان کی جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صدیوں سے سردار اور نواب ان کا خون چوستے چلے آ رہے ہیں۔ انگریزوں کے دور حکومت میں یہ سردار اپنے آپ کو عوام کا نمائندہ بنا کر حکومت سے ناجائز مراعات حاصل کرتے تھے۔ جہاں وہ گورنمنٹ کے سامنے نام نہاد نمائندہ یا لیڈر بن کر مراعات وصول کرتے وہاں وہ غریب عوام کے سامنے اپنے آپ کو گورنمنٹ کا خاص مشیر کی حیثیت سے پیش کر کے ان سے "شِشک" اور "بجار" (شِشک فصل کا ۱/۶ حصہ اور بجار پیسے اور مویشیوں کی صورت میں سرداروں کا ایک ناجائز ٹیکس ہے۔) وصول کرتے تھے۔ بلوچستان میں ہر قبیلہ کے سردار نے اپنے جبر و تشدد کی کارروائیوں کی خاطر ایک مسلح گروہ ترتیب دی ہے۔ جو "باغی" کے نام سے مشہور ہے۔ ان باغیوں کا کام ششک اور بجار کی تحفظ کے علاوہ۔ چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا اور راہ چلتے سادہ لوح غریبوں کو گولی کا نشانہ بنا کر اپنے لئے اور اپنے سردار کے لئے دولت جمع کرنا ہے۔ دولت جمع کرنے کے علاوہ یہ معصوم دوشیزاؤں کو اغوا کر کے سرداروں کے لئے عیش و عشرت کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ بلوچستان میں آپکو ہزارہا ایسے مسلح افراد (باغی) ملیں گے۔ جو مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے ہیں اور غریبوں پر ظلم و ستم ڈھاتے ہیں۔ ان میں محمد حسنی قبیلے کے باغیوں کا نام سرفہرست ہے۔

ایوبی دور میں جب ہر جگہ ظلم کا راج تھا بلوچستان میں باغیوں کا زور اور بڑھ گیا۔ بے شمار آدمیوں کو معمولی باتوں پر قتل کیا گیا۔

یہ سردار دوسرے لوگوں کو ان پڑھ اور جاہل رکھ کر اپنے بچوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ تا کہ ان کے بعد ان کے بچے غریب اور مظلوم عوام کے بچوں پر راج کر سکیں۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب یہ غریب بچے تعلیم حاصل کریں گے تو ان میں شعور آ جائے گا۔ ان کے ضمیر جاگیں گے۔ یہ سرداروں کی بزرگی اور برتری کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے۔ سرداروں نے مظلوم عوام کے بچوں کو تعلیم سے بے بہرہ رکھا۔ لیکن کب تک یہ غریبوں کو جاہل رکھنے سے کامیاب ہوتے۔ آہستہ

صوبائی حکومت نے غریب طلباء کے وظائف بند کر دیئے

آہستہ آہستہ بلوچستان کے لوگوں میں تعلیم حاصل کرنے کا شوق بڑھتا گیا۔ معصوم بچے ریوڑ لے کر چراگاہ میں جانے کی بجائے کتابیں تھام کر اسکول کی طرف جانے لگے۔

سرداروں نے جب یہ دیکھا کہ اب بڑی تعداد میں بچے اسکول جانے لگے ہیں، ہماری بزرگی عنقریب ختم ہونے والی ہے تو بہت پریشان ہوتے۔ انھوں نے ان معصوم بچوں کو روکنے کی لاکھ کوشش کی لیکن ناکام رہے۔

سرداروں نے جب محسوس کیا کہ ہم بچوں کو تعلیم حاصل کرنے سے نہیں روک سکتے اور عنقریب ہماری شہنشاہی ختم ہونے والی تو ان کو حکومت کرنے کا شوق چرایا۔ انھوں نے یکدم ون یونٹ توڑنے کا مطالبہ شروع کیا۔ اور عوام میں دوسرے صوبوں کے خلاف نفرت پھیلانا شروع کردی۔ انہوں نے عوام سے وعدہ کیا جب ہم اپنی جدوجہد میں کامیاب ہو جائیں گے اور بلوچستان کی حکومت ہمارے ہاتھ آئے گی تو ہم بلوچستان کو جنت بنائیں گے۔ یہاں ہر جگہ اسکول اور کالج کھولے جائیں گے۔ ہر گاؤں میں ہسپتال ہوگا۔ اور تم لوگ ہر لحاظ سے ترقی کروگے۔ عوام ان کی باتوں میں آگئے۔

اسی دوران میں ایوب خان نے چند سرداروں کو غداری کے الزام میں گرفتار کرلیا۔ ادھر باغیوں کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں۔ روزانہ بسوں کو روک کر سواریوں کو لوٹا جانے لگا۔ گورنمنٹ کے ملازموں کو اغوا کرلیا گیا اور کئی بار سپاہیوں سے بھی ان کی جھڑپیں بھی ہوئیں۔ ایوب خان نے بعد میں اپنے طبقاتی کردار کے بنا پر گرفتار شدہ سرداروں سے سمجھوتہ کرلیا۔ کیونکہ دونوں کے مفادات مشترک تھے۔ سمجھوتے کے مطابق سرداروں کو رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد ان کے حوصلے اور بڑھ گئے اور باقاعدہ لوگوں کو دوسرے صوبوں کے خلاف تیار کرنا شروع کردیا۔

خیر بڑی جدوجہد کے بعد ون یونٹ توڑ دیا گیا۔ اس کے بعد الیکشن کرانے کا اعلان ہوا تاکہ عوام اپنے نمائندے چن کر اقتدار ان کے ہاتھ میں دے دیں۔ اور جمہوریت بحال ہو جائے۔ بلوچستان میں وہ سردار جو استحصال میں پیش پیش تھے، انتخاب لڑنے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ ان سرداروں نے اپنے انتخابی جلسوں میں عوام کو یقین دلایا کہ اقتدار ملتے ہی سب سے پہلے ششک کا خاتمہ کیا جائے گا، بلوچستان کو ترقی دی جائے گی۔ اسی طرح کے دوسرے ہزاروں دعوے کئے گئے۔ عوام ان کی باتوں میں آگئے۔ اور جھوٹے وعدوں سے خوش ہوگئے۔ الیکشن کے دوران انھوں نے ان کو کامیاب بنانے کی خاطر جنون کی حد تک کام کیا۔ عوام کی بدولت سردار بلوچستان میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ اور حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔

اب وقت تھا کہ وہ اپنے تمام وعدے پورے کرتے اور غریبوں کی حالت بہتر بناتے۔ غریب کسانوں کو یقین تھا کہ اب ان کو ششک جیسی لعنت سے نجات مل گئی ہے۔ اس لئے اس سال انھوں نے پہلے سے زیادہ محنت کرکے اچھی سے اچھی فصل تیار کرنے کی کوشش کی۔ ان کو یقین تھا کہ اس دفعہ اپنی خون پسینہ کی کمائی کے خود مالک ہوں گے۔ اس بار کوئی سرداران سے ششک لینے نہیں آئے گا، اور نہ ہی کوئی باغی ان سے غنڈہ ٹیکس وصول کرے گا۔ جب گندم کی فصل تیار ہوئی تو حسب معمول سرداروں نے آکر کسانوں سے ششک کا مطالبہ کیا۔ پہلے تو کسانوں کو ان کی باتوں پر یقین نہیں آیا کہ جب انھوں نے ششک نہ لینے کا وعدہ کیا ہے تو اب یہ کیسے ششک لینے آتے ہیں۔ کیونکہ بلوچ اپنے وعدے کا پکا ہوتا ہے۔ مر جاتا ہے لیکن اپنے وعدے سے انحراف نہیں کرتا، انہی وعدوں سے منحرف کیوں ہو رہے ہیں۔ جب سرداروں کا تقاضا زور پکڑتا گیا تو کسانوں نے محسوس کیا کہ یہ سنجیدگی سے ششک وصول کرنے آتے ہیں تو ان بے چاروں کے سر چکرا گئے۔

ششک کی جبری وصولی ابھی تک جاری ہے

اور انھوں نے اپنے حقوق کی حفاظت کی خاطر جدوجہد کرنیکا تہیہ کرلیا اور سرداروں کو ششک دینے سے صاف انکار کیا۔

کسانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے انھوں نے اپنی ایک کسان پارٹی بنائی۔ تاکہ اس طرح بلوچستان کے کسان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنے حقوق کی حفاظت کریں۔ کسان پارٹی کے رہنماؤں نے کوئٹہ جاکر گورنر میر غوث بخش بزنجو سے ملاقات کی۔ اور ان کو صورت حال سے آگاہ کیا اور ساتھ ساتھ ان کو ان کے وعدے یاد دلائے جو انھوں نے الیکشن سے قبل لوگوں سے کئے تھے۔ لیکن بزنجو صاحب ان کے ساتھ ہمدردی سے پیش آنے کی بجائے الٹا ان پر برس پڑے کہ "میں نے کب ششک کے ختم کرنیکا وعدہ کیا تھا میں نے کب دوسرے سرداری ٹیکس نہ لینے کا یقین دلایا تھا۔ اس عارضی گورنری کی خاطر میں اپنی جائیداد سے کیسے دستبردار ہو سکتا ہوں"۔ اور انھوں نے کسان پارٹی کے رہنماؤں کو صاف طور پر چیلنج کر دیا کہ "اس سلسلے میں مجھے اپنا پہلا حریف سمجھ لو"۔ جب کسان ہر طرف سے مایوس ہوگئے تو انہوں نے "اپنی مدد آپ کے تحت" جدوجہد کرنیکا فیصلہ کیا اور باقاعدہ سرداروں کو چیلنج کردیا۔ جس کے نتیجے میں حکومت بلوچستان نے جھل جھاؤ اور اواران میں بھاری تعداد میں ملیشیا فورس بھیجی۔ ایک طرف ملیشیا فورس اور دوسری طرف سرداروں کے باغیوں نے مظلوم اور نہتے کسانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑنا شروع کردیئے۔ جون ۷۲ء کو کریمداد نامی ایک شخص اپنی حقوق کی جدوجہد کرتے ہوئے ایک ناظم کی گولی کا نشانہ بن گیا۔ اور ششک کے معاملے میں اس نے سب سے پہلے شہادت کا جام نوش کیا۔ ملیشیا والوں نے باغیوں کی مدد سے گندم کی تیار فصل کو سرکاری تحویل میں لے لیا اور وسیع پیمانے پر کسانوں کی گرفتاریاں شروع ہوگئیں۔ چار سو کسان، کسان پارٹی کے جنرل سیکرٹری عبدالرشید اور بی۔ ایس۔ او (اینٹی سردار) کے تین رہنما گرفتار کرلئے گئے۔

بی۔ ایس۔ او (اینٹی سردار) نے سب سے پہلے کسانوں کی حمایت کا اعلان کیا تھا اس لئے حکومت نے کسانوں کے صدر میر عبدالکریم بزنجو کو گرفتار کرنے کے لئے جھل جھاؤ میں اس کے گاؤں کا محاصرہ کرلیا گیا۔ اور ملیشیا والوں نے مشین گنوں اور توپوں سے گاؤں پر گولہ باری کی۔ جس کے نتیجے میں بے شمار مویشی ہلاک اور بہت سے گھر جل کر خاکستر ہو گئے۔ چار معصوم اور بے گناہ بچے شہید ہوگئے۔ میر عبدالکریم بزنجو ان دنوں کراچی میں تھے۔ ملیشیا فورس نے ان کے بڑے بھائی میر محمد حسین کو ساتھیوں سمیت گرفتار کرلیا گیا۔ میر عبدالکریم بزنجو کو حکومت بلوچستان نے اشتہاری ملزم قرار دے دیا اور اس کی گرفتاری کے لئے سرتوڑ کوششیں کرنے لگی۔ جن کسانوں کو گرفتار کیا گیا ان پر ہر طرح کے ظلم ڈھائے گئے۔ ان میں سے بعض کو مچھ جیل بھیجا گیا۔ جو پاکستان کی سخت ترین جیل ہے۔

باقی صفحہ ۴۳ پر ملاحظہ فرمائیں

پردہ چاک

فوجی شوگر ملز کھوسکی

ذکر گیسٹ ہاؤس کی

"الف لیلوی" راتوں اور بلیک اینڈ وائٹ کا

الفتح رپورٹ

رحمانیہ شوگر ملز کھوسکی کو جب سے فوجی فاؤنڈیشن کی تحویل میں دیا گیا ہے اس کے متعلق روزانہ اخبارات میں نئی نئی خبریں شائع ہو رہی ہیں۔ مزدوروں کی برطرفی، چھانٹی انتقامی کارروائی اور تالہ بندی معمول بن گئی ہے۔ مزدوروں کا خیال تھا کہ اگر ملز فوجی فاؤنڈیشن کی تحویل میں چلی گئی تو انہیں سابقہ انتظامیہ سے کہیں زیادہ مراعات اور سہولتیں حاصل ہوں گی۔ ان کے سارے دکھ درد دور ہو جائیں گے مگر ان کے سارے خواب ادھورے رہے، مظالم بڑھ گئے روزگار کے تحفظ کی امیدیں موہوم ہو گئیں۔ دوسری طرف نئی انتظامیہ کی دھاندلی، اقربا نوازی، لوٹ کھسوٹ، اور مزدور دشمنی میں اضافہ ہو گیا۔ محنت کشوں کی پیشانی سے بہتے ہوئے پسینے کو شراب و کباب اور عیاشیوں میں غرق کیا جانے لگا۔

احسان رضا صدر ایمپلائز یونین

فوجی شوگر ملز کی انتظامیہ کے اعلیٰ افسران ملز کے وسائل کو انتہائی بے دردی سے فضول اور بے مصرف دوروں اور اپنی "الف لیلوی" راتوں پر ضائع کر رہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ملز کے ایڈمنسٹریٹو افسر جناب ایچ یو قریشی نے حیدر آباد کا دورہ کیا اور ملز کے گیسٹ ہاؤس کے لیے اخراجات کا جو بل پیش کیا اس میں سب سے "تگڑی رقم" شراب کی مد میں رکھی تھی ——— جی ہاں ——— "بلیک اینڈ وائٹ" اور "جان ہیگ" ولائتی شراب کی اقسام ہیں۔ دیسی شراب میں بھلا وہ مزا کہاں جو ولائتی شراب میں ہوتا ہے۔ ویسے بھی انتظامیہ کے اعلیٰ افسران کو اس بات کا پورا پورا حق پہنچتا ہے کہ وہ مزدور کی اجرت میں دو پیسے کا اضافہ نہ کریں اس سے مزدوروں کا دماغ خراب ہو جاتا ہے البتہ وہ اپنی عیاشیوں پر سینکڑوں روپے خرچ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ انتظامیہ کے "نمک حلال" اور بہی خواہ ہوتے ہیں۔ انتظامیہ کی ہر قسم کی دھاندلی اور لوٹ کھسوٹ پر پردہ ڈالتے اور ہاتھ بٹاتے ہیں۔

کھوسکی سے حیدر آباد کا فاصلہ کچھ زیادہ نہیں، اگر ایڈمنسٹریٹو افسر نے ملز کے مفاد میں یہ دورہ کیا تھا تو پھر گیسٹ ہاؤس میں اچانک ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی جس کے لیے انہیں تین سو پچانوے روپے کا بل پیش کرنا پڑا۔ یہی نہیں بلکہ انتظامیہ کی طرف سے انہیں تین سو روپے ایڈوانس دیا گیا تھا۔ تاکہ وہاں انہیں کسی قسم کی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ممکن ہے کہ انتظامیہ نے ان کی شراب نوشی کا خیال رکھتے ہوئے تین سو روپے ایڈوانس دے دیا ہو، بہرحال معمولی آدمی نہیں ہیں۔ فوجی شوگر ملز کھوسکی کے ایڈمنسٹریٹو افسر ہیں، انتظامیہ کو ملز کے وقار کا تو خیال رکھنا ہی پڑتا ہے۔

ملز کی موجودہ انتظامیہ سابق انتظامیہ پر یہ الزام عائد

FAUJI SUGAR MILLS, KHOSKI.

January 10, 1972.

CHIEF ACCOUNTANT.

I have incurred the following expenditure during my recent visit to Hyderabad :-

1.	Petrol for Micro Bus (4 gallons)	Rs. 31.00
2.	Black & White & Jhon Haigh for Guest House	Rs.200.00
3.	Tyre repairs	Rs. 11.00
4.	Coffee, Jelly, tinned pease & Bread for Guest House	Rs. 63.50
5.	Cigarettes Gold Leaf & Three Castles for Guest House	Rs. 64.40
6.	Accelerator cable for Micro Bus	Rs. 18.00
7.	Five dozen Bananas & four dozen Keno for Guest House	Rs. 12.50
8.	Vegetables for the Guest House	Rs. 5.50
	Total:-	Rs.395.90
	Advance taken	Rs.300.00
		Rs. 95.90

A sum of Rs. 95.90 may please be paid to me, at your earliest convenience.

PAID

Colonel
(H.U. Qureishi)
Administrative Officer.

Encl: 6 receipts.

HUQ/m°

M.K.
Pt. check.

CODING							Rs.	Ps.
							395	90
Purchase/Job ...				Total	= 395/90			
Posted	Checked	Extns/Rates Totals OK.	A/c coded by					
Bills ... Goods/Ser. Recd	Checked	Payment Approved						

ملز کے ایڈمنسٹریٹو افسر کے پیش کردہ بل کا عکس

انتظامیہ مزدوروں کے خلاف ہر ممکن حربہ استعمال کر رہی ہے

CURRENCY 17
CHEQUE

PAYMENT VOUCHER

CA. 03

PAY TO M/ H.U. Qureshi, A.O.
Misc - Supplies A/c Guest House

DATE 11. 1. 1972

CHARGING							AMOUNT
1	2	3	4	5	6	7	
040	280	219					395 90
3518							
TOTAL							395 90

DESCRIPTION
Miscellaneous items supplied to Guest House as per verified and recommended Cash memos no. 165 2700 4277 69 14052 33/15 attached
Recommend Rs 395/- vide R/no. ... PAID
PAYMENT REQUESTED
AMOUNT IN WORDS
Rupees Three hundred Ninety five and ps: Ninety only.
PAYMENT RECEIVED
BILL UNPAID GOODS RECD
PRICES/RATES OK
CHARGING OK
PAYMENT APPROVED

بل کی ادائیگی کا واؤچر

ملز میں انتظامیہ کے غنڈوں کا راج ہے

کرتی ہے کہ ملز کا گیسٹ ہاؤس سابق صدر یحییٰ خان کی عیاشیوں کے لیے تعمیر کیا گیا تھا اور اس کے "ڈیکوریشن" پر لاکھوں روپے پانی کی طرح بہایا گیا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سابق انتظامیہ یحییٰ خان اور نوکر شاہی کو نوازنے کے لیے لاکھوں روپے خرچ کر سکتی ہے تو موجودہ انتظامیہ نے اپنے عمل سے کہاں تک اپنی "پارسائی" کا ثبوت پیش کیا۔ گیسٹ ہاؤس کی راتیں اب بھی جاگتی ہیں اور سینکڑوں روپے شراب کی بوتلوں پر اڑا دیئے جاتے ہیں۔ ملز کے پرسنل منیجر میجر خالد کے بیٹے جب نیویارک سے یہاں وارد ہوئے۔ تو انہیں گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرایا گیا اور ان کی خاطر و مدارات پر مزدوروں کی محنت کے سینکڑوں روپے خرچ کر دیئے گئے۔ چند دن پیشتر جب جناب ایچ یو قریشی نے حیدر آباد کا دورہ کیا اور گیسٹ ہاؤس کے سامان کا جو بل پیش کیا اس میں صرف دو سو روپے ولایتی شراب میں دکھایا گیا ہے۔ یہ ہے موجودہ انتظامیہ کی پارسائی کا تازہ ترین شاہکار ـــــ !

ایک طرف انتظامیہ کے اعلیٰ افسران کی فضول خرچی اور عیاشیوں کا یہ عالم ہے دوسری طرف ملز کی موجودہ انتظامیہ اور نوکر شاہی نے آپس میں گٹھ جوڑ کر کے محنت کشوں کی زندگی حرام کر دی ہے۔ ملز پر عملاً انتظامیہ کے تنخواہ دار غنڈوں کی حکومت ہے۔ یونین کے عہدیداروں کو مختلف الزامات کے تحت جیلوں میں بند کر دیا گیا۔ بے شمار مزدوروں کو برطرف کر دیا گیا۔ گرفتاری کے دوران کوارٹروں سے مزدوروں کا سامان چوری کر لیا گیا۔ حقوق طلب کرنے والوں کو قانونی تحفظ اور عدالتی چکروں میں الجھا دیا گیا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بے شمار برطرف مزدوروں کے گھروں میں چولہے ٹھنڈے ہو گئے ہیں اور وہ فاقہ کشی میں دن گزار رہے ہیں پولیس اور ملز انتظامیہ کے مظالم کے خلاف جب بھی آواز بلند کی جاتی ہے اس کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ فوجی شوگر ملز کے مزدور ہر طرف سے مایوسی کا شکار ہونے کے بعد صدر ذوالفقار علی بھٹو کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اگر ان کی یہ آخری امید بھی مایوسی میں ڈوب گئی تو جانے کب تک ان کی زندگی ظلم کی تاریکی میں ہچکولے کھاتی رہے۔

فوجی شوگر ملز کھوسکی ایمپلائز یونین کے صدر مسٹر احسان رضا نے صدر بھٹو سے اپیل کی ہے کہ ملز کے محنت کشوں کے ناگفتہ بہ حالات پر توجہ دی جائے۔ مزدوروں کو سرکاری طور پر قانونی تحفظ دیا جائے۔ تمام قائم شدہ مقدمات کو یکجا کر کے کسی غیر جانبدار ایجنسی کے ذریعے چھان بین کرائی جائے۔ آمریت، ظلم اور جبر سے نجات دلائی جائے ملز میں کام کرنے والے اور برطرف مزدوروں میں مایوسی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔

ایمپلائز یونین کے صدر کے بیان کی روشنی میں اگر ملز کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو حقائق زیادہ تلخ نظر آتے ہیں۔ ایک طرف انتظامیہ مزدوروں پر سختی کرنے کے لیے تمام خطرناک ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہے۔ دوسری طرف پیداوار کی مرکزی طاقت مزدوروں کی زندگی خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے۔ ان کے اجتماعی شعور اور قوت کو منتشر کرنے کے لیے نئے نئے حربے استعمال کیے جا رہے ہیں جس سے ملز کی پیداوار اور ذرائع بری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔ ایسی مخدوش صورتِ حال کو سنبھالنے اور ملز کو ایک بار پھر ترقی کی نئی راہ پر ڈالنے کے لیے ضروری ہے کہ ایسے افسران کا سختی سے محاسبہ کیا جائے۔ ملز کے وسائل اور ذرائع کو اپنی عیاشیوں پر ضائع کر رہے ہیں۔ اور جان بوجھ کر محنت کشوں کے مسائل کو سلجھانے کی بجائے نئی نئی الجھنیں پیدا کر رہے ہیں۔

اشاعتِ خصوصی - اہم اعلان

قارئین کرام - کاغذ کی قلت اور ہوشربا گرانی کے باعث اب ہم ہر ماہ کے آخر میں اشاعتِ خصوصی پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کی بجائے اب ہم ہر تین ماہ کے بعد کسی مخصوص مسئلے پر خصوصی نمبر پیش کریں گے۔

امید ہے قارئین کو ہماری مشکلات کا بخوبی اندازہ ہوگا۔ جیسے ہی حالات موافق ہوتے ہم اپنا پرانا سلسلہ پھر سے شروع کر دیں گے۔

آپ نے ہر مرحلے پر ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے، جس کے لئے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔

(ادارہ)

اعلیٰ عہدوں پر ——— صرف وزیروں کے رشتہ دار

حلقۂ قارئین الفتح

وزراء اپنی خالی جھولیاں بھر رہے ہیں

راز طالبانی

"طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں"۔

"یہ حکومت عوام کی ہے، مفلس مزدور کی ہے، غریب کسان اور طالب علم کی ہے"۔

"پیپلز پارٹی ایک ایسے معاشرے کے قیام کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے جس میں کسی فرد کا استحصال نہ ہو"۔

"ہمیں ایسی منصوبہ بندی کرنی ہوگی جس میں کم سے کم وقت میں تمام لوگوں کو روزگار کی ضمانت دی جائیگی"۔

"مزدوروں کے حقوق کی بحالی ہماری ذمہ داری ہے"۔

یہ وہ نعرے تھے جو پیپلز پارٹی برسر اقتدار آنے سے پہلے استعمال کیا کرتی تھی۔ لیکن جب وہ برسر اقتدار آئی تو اس کا منشور بالکل تبدیل ہو کر رہ گیا اور ایوب یحییٰ حکومت کی طرح پیپلز پارٹی کی حکومت بھی تشدد کے تمام ہتھیار استعمال کر رہی ہے۔ پیپلز پارٹی عوامی پارٹی بن کر نہیں بلکہ سرمایہ داروں کی پارٹی بن کر ابھری ہے۔ اس حکومت نے ایک مزدور کی جان کی قیمت دس ہزار روپے مقرر کی۔ پیپلز پارٹی کے وزراء کو عوام کے مسائل یا ان کی مشکلات کا کوئی احساس نہیں رہا۔ مہنگائی اور بیروزگاری روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ ہر دفتر کارخانے اور فیکٹری میں نو ویکنسی (NO VACANCY) کا بورڈ نظر آتا ہے۔ رشوت ستانی زوروں پر ہے۔ پیپلز پارٹی جو کہ غریبوں کی پارٹی ہونے کا دعوٰی کرتی تھی، آج اس کے لیڈر ایئر کنڈیشنڈ بنگلوں میں رہائش رکھتے ہیں۔ ہر تقرری اپنے خصوصی آدمیوں سے ہوتی ہے۔ محکمہ زراعت میں دوست محمد سندیلو کو بحیثیت ڈائریکٹر مقرر کیا گیا جو ایک صوبائی وزیر کا دوست اور ان کے گاؤں کا رہنے والا ہے۔ محکمے کی ایک اسٹاف کار HDA5806 خیرپور میں مذکورہ وزیر کے بچوں کے لئے مخصوص ہے۔ سیکنڈری بورڈ آف ایجوکیشن حیدرآباد میں در محمد استو نے اپنے رشتہ دار عبدالقادر استو کو بغیر سلیکشن کمیٹی کی منظوری کے، اسسٹنٹ کنٹرولر مقرر کیا۔ یونین کمیٹی کے سیکرٹری یار محمد ابڑو کو گورنر سندھ کا پرسنل سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ اسسٹنٹ کمشنر شاہ بندر کے ایک سینئر کلرک علی محمد نوہریو کو وزیر آبپاشی کا پرائیویٹ سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ کیا یہ کسی کی حق تلفی نہیں ہو رہی ہے؟

برسر اقتدار پارٹی کے وزراء یا قومی صوبائی اسمبلی کے ہر رکن کی یہ کوشش رہتی ہے، کہ وہ پہلے اپنے گاؤں یا شہر کی اصلاح کرے۔ نئی تعلیمی پالیسی میں ضلع دادو کو تین نئے مڈل اسکول دیئے گئے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ یہ اسکول صوبائی اسمبلی کے ممبر سید عبداللہ شاہ کے گاؤں

اسکول کے ماسٹر کو ہسٹری ٹیچر قرار دے دیا گیا

کرم پور، محمد بخش جمالی کے گاؤں بھادل پور اور حاجی امیر بخش جونیجو کے گاؤں خانپور میں کھولے گئے ہیں۔

دوسری مرتبہ جب دیہی ترقیاتی پروگرام شروع ہوا تب بھی ضلع دادو سے وہ گاؤں اس اسکیم میں لائے گئے جو صوبائی اسمبلی کے اراکین کے گاؤں تھے۔ اور پس ماندہ علاقوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ حالانکہ اس اسکیم کا مقصد ان پس ماندہ علاقوں کو ترقی دینا تھا۔ جس میں شہر کے مقابلے میں کوئی سہولت میسّر نہ ہو۔ حقیقت کو پرکھنے کے لئے ان دیہات کی تصویر سامنے رکھی جاتی ہے، جو کہ اس اسکیم میں ضلع دادو سے لئے گئے ہیں۔ اور ان دیہات کی بھی جن کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

دیہی اسکیم میں شامل ضلع دادو کے تین قصبوں کی تصویر:-

۱- بوبک:-

یہ دیہات نہیں بلکہ قصبہ ہے جو کہ صوبائی اسمبلی کے ممبر سید عبداللہ شاہ کے گاؤں کے نزدیک لگتا ہے۔ اس قصبے میں پہلے سے بجلی، پکے راستے، مڈل سکول، پرائمری سکول ڈسپنسریاں اور برف کا کارخانہ موجود ہے۔ تجارتی لحاظ سے ترقی یافتہ ہے۔ اس قصبے میں فشریز اور ایکسائز کے دفاتر موجود ہیں۔ ٹیلیفون ایکسچینج بھی ہے۔

۲- جوہی:-

یہ قصبہ صوبائی اسمبلی کے ممبر محمد بخش جمالی کا آبائی قصبہ ہے۔ اس قصبے میں بجلی۔ ہائی سکول، مارکیٹ گرلس اسکول موجود ہیں۔ تجارتی لحاظ سے ترقی یافتہ ہے۔ اس قصبے میں پوسٹ آفس۔ ایگریکلچر اسسٹنٹ فیملی پلاننگ ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر۔ تحصیلدار اور سب جج کے دفاتر موجود ہیں۔

۳- خانپور:-

یہ قصبہ صوبائی اسمبلی کے ممبر حاجی امیر بخش جونیجو کا قصبہ ہے۔ اس میں بھی پہلے سے ڈسپنسری۔ پرائمری گرلز بوائز سکول اور مڈل سکول موجود ہیں۔ اس قصبے کی آبادی مشکل سے ۵ ہزار ہوگی۔ اس گاؤں میں پانی کی سہولت اور روڈ موجود ہے۔

اس کے برعکس تحصیل کوٹڑی کو جسے حکومت کی

جانب سے پس ماندہ علاقہ قرار دیا گیا ہے۔ دیہی ترقی کے پروگرام میں شامل کرنے سے نظرانداز کردیا گیا ہے۔ تحصیل کوٹڑی کے تین قصبوں کے حالات اسطرح ہیں۔

۱- لکی شاہ صدر :-

اس قصبے کی آبادی تقریباً دس بارہ ہزار ہے لیکن یہاں نہ تو پانی کی سہولت ہے، نہ بجلی کی۔ کوسوں میل دور سے پانی گدھوں پر لایا جاتا ہے۔ اس قصبے میں کوئی ہسپتال وغیرہ نہیں ہے۔ مریضوں کو بارہ میل دور سیوہن جانا پڑتا ہے۔ پہاڑ کے نزدیک ہونے کی وجہ سے گرمی کی تپش زیادہ ہوتی ہے۔ گلیوں میں کوئی روشنی وغیرہ یا پکے راستے کا بندوبست نہیں۔ ہائی اسکول کے لئے بارہ میل سیوہن یا ۲۴ میل سن جانا پڑتا ہے۔ یہاں کے لوگوں کا ذریعۂ معاش بارش کے پانی پر ہوتا ہے۔ بارش نہ پڑنے سے فاقہ کشی عام ہے۔ پمپنگ سکیم تقریباً دو تین سال پہلے منظور ہو چکی ہے۔ لیکن آج تک شروع نہیں ہوئی۔ اور کئی ہزار ایکڑ زمین بیکار پڑی ہے۔

۲- انڑپور :-

اس قصبے میں بھی پانی کی بڑی تکلیف ہے۔ آمدورفت کا مسئلہ اس طرح ہے کہ گاؤں سے ریلوے اسٹیشن تقریباً چھ سات میل دور ہے۔ لیکن وہاں تک کوئی پکا راستہ تیار نہیں کیا گیا۔ نیشنل ہائی وے قصبے سے بارہ تیرہ میل دور ہے، جو کہ کچا ہے۔ تعلیم کے لحاظ سے یہ علاقہ بالکل پسماندہ ہے۔ کیوں کہ یہاں صرف ایک پرائمری سکول ہے۔ ہائی سکول یا کالج کی تعلیم کے لئے چالیس میل دور حیدرآباد جانا پڑتا ہے۔ یہاں کے لوگوں کا ذریعۂ معاش بھی بارش یا دریائی سیلاب پر ہے۔ کوئی پل وغیرہ نہیں ہے۔ کئی ہزار ایکڑ زمین بالکل بیکار پڑی ہے۔ بجلی یا ہسپتال وغیرہ نہیں ہے۔ خدا کسی شخص کو ملیریا کا بخار یا سر کا درد دے تو اس کے لئے صبر کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کیونکہ ان حالات میں ٹرانسپورٹ کا مسئلہ سرِراہ ہوتا ہے۔

۳- آمری :-

یہ قصبہ رکھتا تو بڑی اہمیت ہے، لیکن آج وہ صرف کھنڈرات کی شکل میں کھڑا ہے۔ محکمہ آثارِ قدیمہ کے این۔ جی مجمدار اپنی ۱۹۳۵ء کے سروے رپورٹ میں یہ بتایا ہے کہ یہ قصبہ پچاس ہزار سال پرانا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں اس قصبے کے ساتھ والے ٹیلے کی کھدائی جی۔ ایم کیسال کی رہبری میں ہوئی تھی۔ آج بھی اسے کافی سیاح دیکھنے آتے ہیں۔ لیکن حکومت نے اتنی توجہ نہیں دی کہ یہاں سے برآمدہ چیزیں وہیں رکھی جائیں یا اس ٹیلے تک پکا راستہ بنایا جائے۔ یہ قدیم قصبہ بجلی سے محروم رہا ہے۔ مڈل اسکول منظور تو ہوا لیکن صوبائی اسمبلی کے ممبر سید عبداللہ شاہ کی مہربانی سے آمری سے مڈل اسکول ہٹا کر ان کے اپنے گاؤں میں کھلوایا گیا۔ مریضوں کو دوا کے لئے ۱۴ میل دور سن جانا پڑتا ہے۔ اس گاؤں کے لوگوں کا ذریعۂ معاش کا انحصار بھی بارش پر ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ سیہون تعلقہ کے ایک بااثر زمیندار اور پیپلز پارٹی کے سرگرم کارکن نے ایک پرائمری استاد محمد باقر اور اس کے دو بھائیوں کو ۱۱۰ میں گرفتار کیا جبکہ وہ مردم شماری کی ڈیوٹی انجام دے رہا تھا۔ تعجب تو یہ رہا کہ جب علاقے کے استادوں نے اس سلسلے میں صوبائی اسمبلی کے ممبر اور ڈپٹی اسپیکر سید عبداللہ شاہ سے ملاقات کی تو انہوں نے کہا کہ واقعتاً یہ استاد ہسٹری شیٹر ہے۔ حالانکہ اس استاد کی سروس پندرہ بیس سال پرانی ہے۔ اور آج تک اس کے ریکارڈ میں ایک پائی کا جرمانہ نہیں ہوا ہے۔ دوسری طرف پرائمری ٹیچرس اسٹوڈنٹس کے تعلقہ صدر کو ڈی۔ ایس۔ پی نے پولیس اسٹیشن پر ۲ دو گھنٹے نظربند رکھا۔ اور اسے دھمکایا۔ اور کوئی چارہ نہ نہ دیکھ کر اس تعلقہ صدر کو آخر چھوڑ دیا گیا۔ بعد میں صوبائی اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر سید عبداللہ شاہ نے اعتراف کیا کہ مجھے پیپلز پارٹی کے ایک رکن (جو وہاں کا ایک بڑا زمیندار ہے) سے معلوم ہوا تھا کہ یہ استاد بدمعاش ہے ——— کیا عوام پیپلز پارٹی سے یہ امید رکھتے تھے کہ اس کے وزراء برسراقتدار آکر صرف کرسیوں پر جم جائیں گے۔ اور عوام کے مسائل روز بروز بڑھتے جائیں گے۔ جاگیردار اور سرمایہ دار کا ساتھ دے کر غریبوں کا بری طرح استحصال کیا جائے گا

بقیہ : امریکی انتخابات

محروم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن واقعات نے ثابت کر دیا کہ ان عناصر کا تجزیہ درست تھا۔

یہ درست ہے کہ نکسن بھارت کی نسبت پاکستان کی حمایت کریں گے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ پاکستان اور پاکستانی عوام کے خیرخواہ اور دوست ہیں بلکہ سوویت یونین سے امریکہ کے تضادات نے انہیں مجبور کر دیا ہے کہ وہ پاکستان سے تعلقات خوشگوار بنائیں۔ بھارت سوویت یونین کی گود میں جا چکا ہے اور اس سے بیس سالہ دفاعی معاہدہ بھی کر چکا ہے۔ سوویت یونین وسیع پیمانے پر بھارت میں سرمایہ کاری کر رہا ہے جب کہ پاکستان میں اس کی سرمایہ کاری بالکل ہی کم ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے اس لیے سوویت یونین اپنے سرمائے کے تحفظ کے لیے ہر حال میں بھارت کا ساتھ دے گا۔ اس کے برخلاف امریکہ کی سرمایہ کاری پاکستان میں زیادہ ہے۔ اور اس سرمایہ کاری نے اسے پاکستان کی حمایت کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں امریکہ نے شیخ مجیب اور مکتی باہنی کا ساتھ اعلانیہ اس لیے نہیں دیا کہ مشرقی پاکستان میں اس کی سرمایہ کاری زیادہ نہیں تھی۔ مشرقی پاکستان میں برطانیہ کی سرمایہ کاری زیادہ تھی چنانچہ اس نے اعلانیہ شیخ مجیب کا ساتھ دیا لیکن اب امریکی سامراج بنگلہ دیش کی بھرپور امداد کر رہا ہے۔ بنگلہ دیش کو جو امداد مل رہی ہے اس میں امریکی امداد کا تناسب ۷۰ فیصد ہے۔

آثار بتا رہے ہیں کہ وطنِ عزیز پر امریکی سامراج کا اثر اور گرفت زیادہ مضبوط ہو گی۔ کیونکہ گماشتہ سرمایہ دار، جاگیردار اور نوکر شاہی امریکی سامراج کی حلیف ہے اور حکومت بھی امریکہ سے گٹھ جوڑ کر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی جو سامراج دشمن جماعت کی حیثیت سے ابھری تھی اور جس نے سیٹو اور سینٹو سے نکلنے کا وعدہ کیا تھا۔ آج سامراج سے دوستی کر رہی ہے۔ سیٹو سے علیحدگی کا مقصد یہ نہیں کہ حکومت کمیونسٹ دشمن اور سامراجی فوجی معاہدوں سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد پاکستان جنوب مشرقی ایشیا کا حصہ ہی نہیں رہا۔ اگر حکومت واقعی ان سامراجی معاہدوں کے خلاف ہے تو سینٹو کے بلاک میں رہنے پر کیوں اصرار کیا جا رہا ہے

حکومت کی سامراج نواز پالیسیوں کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حکومت نے ویت نام میں امریکی جارحیت کے خلاف مظاہرہ کرنے والوں پر لاٹھی چارج کی، اور کہا گیا کہ یہ لوگ امریکہ کے خلاف مظاہرہ کیوں کرتے ہیں۔ جب کہ وہ ہمیں امداد دیتا ہے پی ایل ۴۸۰ کے تحت گندم دیتا ہے۔ اس کے بعد سامراجی ادارے عالمی بنک اور کنسورشیم نے قرضے دینے کے لئے شرط لگائی کہ مزدوروں اور کسانوں کی تحریک کو کچلا جائے۔ چنانچہ منگھوپیر اور لانڈھی کورنگی میں مزدوروں کا قتل عام کیا گیا۔ جھل جاؤ ہشت نگر اور تحت بھائی میں کسانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔

امریکی دباؤ اور اثر سے نکلنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ مزدور، کسان، طلبہ اور محنت کش عوام متحد ہو کر استحصالی نظام کے خلاف مشترکہ اور مضبوط محاذ بنالیں۔

"ڈان اخبار مانگ کر ہمیں شرمندہ نہ کریں"

ریگل کا بس اسٹاپ، پاکستان کے حریت پسندوں اور آزادی کے متوالوں کی تاریخ کا ایک اہم مرکز ہے نہ جانے کتنے مظاہرے ہیں جو جمہوریت کی بحالی، شہری حقوق، محنت کش عوام کے حصول مطالبات کی جدوجہد اور سامراج دشمنی کے اظہار کے لئے یہاں برپا ہوئے۔ بلکہ آج بھی اگر آپ توجہ دیں تو ٹریفک کے ناگوار شور کے پس منظر میں آپ کو سامراج مردہ باد۔ جاگیرداری۔ سرمایہ داری ختم کرو۔ عوامی جمہوریت کے قیام کے بلند بانگ نعروں کی بازگشت سنائی دے گی۔ یہی سبب ہے کہ اس طرف سے گذرنے والوں کی نگاہ خواہ ایک لمحہ کے لئے کیوں نہ ہو اس طرف ضرور اٹھتی ہے کہ شاید کچھ بینر آویزاں ہوں۔ کچھ لوگ نعرہ زن ہوں۔

شبّر اعظمی

میں بھی ایک ضروری کام سے گزر رہا تھا۔ حسب عادت میری نگاہ نے دور ہی سے ریگل بس اسٹاپ کا جائزہ لیا۔ چند بینر نظر آئے لیکن نعروں کی گھن گرج سنائی نہیں دے رہی تھی اور نہ ہی اُس کے آہنگ میں اٹھتے ہوئے ہاتھ۔ صورت حال کی آگاہی کے لئے میں بس سے اتر آیا میں نے دیکھا بینر تو آویزاں تھے۔ لیکن مظاہرین کا کہیں دور دور تک پتہ نہ تھا۔ بینروں کی عبارت اس امر کا اظہار کر رہی تھی کہ یہ احتجاج انجمن امدادیہ اخبار فروشاں کی جانب سے ڈان اخبار کے خلاف ہو رہا تھا۔

میں قریبی بک اسٹال کی جانب بڑھا تاکہ ان سے معلومات حاصل کرسکوں اس سے قبل کہ میں کچھ استفسار کرتا کچھ لوگ آئے انہوں نے ڈان اخبار طلب کیا لیکن ان کو نہ مل سکا اخبارات اسٹال پر لگے ہوئے تھے لیکن بظاہر ڈان اخبار کی کوئی کمی محسوس نہیں ہو رہی تھی ایسا لگ رہا تھا کہ اس نام کا کوئی اخبار نکلتا ہی نہیں۔ اخبارات کے ساتھ اسی سائز کا ایک اور کاغذ لگا ہوا تھا۔ میں سمجھا کہ شاید کوئی نیا اخبار یا رسالہ نکلا ہو میں نے اس پر غور سے دیکھا تو لکھا ہوا تھا کہ ڈان اخبار مانگ کر ہمیں شرمندہ نہ کریں۔ اس وقت مجھے شدّت سے احساس ہوا اخبارات کے سلسلہ حیات کو برقرار رکھنے اور موثر ابلاغ میں ہاکرز کی بڑی اہمیّت ہے۔

میں نے ان صاحب سے دریافت کیا کہ آخر آپ یہ احتجاج کیوں کر رہے ہیں انہوں نے مجھے نواب فضل الرحمان صاحب سے ملایا جو کہ انجمن امدادیہ اخبار فروشاں کے صدر ہیں وہ مجھے لے کر سامنے کے ہوٹل میں آ گئے جہاں چاند صاحب، آل حسن صاحب یوسف صاحب، ملک عنایت علی خان، برکت صاحب مسیت اللہ صاحب اور اکرام صاحب اور دوسرے ہاکر ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔

انہوں نے بتایا کہ ہم آندھی، بارش، طوفان اور موسم کے سرد و گرم سے بے نیاز ہو کر ہر حال میں صبح سویرے گھر گھر اخبارات پہنچاتے ہیں اور اسی بنیاد پر اخبارات کے مالکان اور ایجنٹ حضرات لکھ پتی اور کروڑ پتی بن جاتے ہیں۔ لیکن ہماری حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ خصوصاً روزنامہ ڈان نے ہم پر بے انتہا مظالم ڈھائے ہیں۔ یہ اخبار جتنا کم کمیشن دیتا ہے اتنا کم کمیشن برصغیر کا کوئی بھی اخبار نہیں دیتا۔ بلکہ اس اخبار نے ہمارے اتحاد کو کمزور کرنے کے لئے کراچی اور دوسرے شہروں کے ہاکروں میں کمیشن کا فرق رکھا ہے۔ حالانکہ دوسرے شہروں میں ٹرین اور دوسرے ترسیل اخراجات کے علاوہ ان کا کمیشن زیادہ دیتا ہے، جب کہ کراچی میں اس قسم کے کوئی اخراجات نہیں لگتے۔ اس کے باوجود ہمیں بہت کم کمیشن دیا جاتا ہے۔ تمام ہاکر ساتھیوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہمارا مطالبہ ہماری محنت کا پورا معاوضہ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمیں آپ وہی کمیشن دیں جو کہ دوسرے شہروں کے ہاکروں کو دیتے ہیں۔ یہ مطالبہ ہم ایک طویل عرصہ سے کرتے چلے آ رہے ہیں اور اس کے جواب میں عرصہ پچیس سال سے ہماری جدوجہد کو کمزور کرنے، ہمارے اتحاد میں رخنہ ڈالنے اور ہماری آوازوں کا گلا گھونٹنے کے لئے طرح طرح کے حربے استعمال کئے گئے اور ہم پر قسم قسم مظالم ڈھائے گئے۔ نواب فضل الرحمان۔ یوسف صاحب اور چاند صاحب نے بتایا کہ ۱۹۵۶ء میں ہمارے ایک ساتھی محمد منصور نے تادم مرگ بھوک ہڑتال کی تھی جب نوے گھنٹے پورے ہو گئے تو جماعت اسلامی، عوامی لیگ اور حکومت کے مختلف افراد آئے اور انہوں نے یقین دلایا کہ تمہارے مطالبات تسلیم کروا دیں گے، بھوک ہڑتال ختم کردو۔ اسی یقین دہانی پر بھوک ہڑتال توڑ دی گئی لیکن مطالبات پورے نہیں ہوئے اس پر ہم لوگوں نے اپنی یونین انجمن امدادیہ اخبار فروشاں کے تحت منظم طریقے سے اپنے مطالبات پیش کئے کہ ہمارا کمیشن بڑھایا جائے اور تمام شہروں کے ہاکروں کے کمیشن میں یکسانیت پیدا کی جائے۔ لیکن اس وقت ہارون فیملی کی سرکار تھی اور حکومت کے ایک رکن سے اپنے حق کا مطالبہ یہ جرأت ہمیں بڑی مہنگی پڑی۔ ہمارے مطالبات کیا پورے ہوتے، بزور قوت ہماری تحریک کچل دی گئی۔ جھوٹے الزام لگا کر اس وقت کے صدر مسیت اللہ، نائب صدر آل حسن، جوائنٹ سیکرٹری لطیف، اور یونین کے سرگرم کارکن سعید، عبدالحمید رفیق مرحوم۔ ذاکر۔ عبدالحفیظ اور دوسرے سرگرم ساتھیوں پر لوٹ مار۔ ڈکیتی۔ آتش زنی اور دیگر الزامات لگا کر گرفتار کر لیا گیا۔ اور یونین کے سرگرم کارکنوں کو مختلف طریقوں سے اتنا تنگ کیا گیا کہ یا تو وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں یا یہ کاروبار ہی چھوڑ دیں۔ اور اس طرح یہ تحریک دم توڑ گئی۔

اس کے باوجود جب انہوں نے دیکھا کہ اس سے بھی کوئی خاص فرق نہیں ہوا تو دوسرے ہتھکنڈوں پر اتر آئے۔ یونین کے سرگرم آدمیوں کے پیچھے آدمی لگائے اور انہیں بعد میں پرچے دیتے اور اسی سے ایک ڈیڑھ گھنٹے پہلے ہی اپنے آدمیوں کو دیدیتے تاکہ وہ ان علاقوں میں جا کر ان کے گاہکوں کو توڑ سکیں۔ بعض علاقوں میں اپنے آدمیوں کے پاس گاڑیوں سے پرچے پہنچوائے جاتے۔ ہمارے اتحاد

باقی صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں

ہنزہ میں میر کی میری کب تک چلے گی؟

شاہ زمان

گزشتہ دنوں ادارہ ترقی ہنزہ کی جانب سے صدرِ پاکستان کو ایک یادداشت پیش کی گئی جس میں ریاست ہنزہ سے شخصی راج کا خاتمہ کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ یادداشت میں کہا گیا ہے کہ ہنزہ میں میر کی حکومت اور اقتدار کو برقرار رکھنے سے عوام میں بے حد بے چینی اور مایوسی پھیلی ہوئی ہے میر آف ہنزہ اپنے اقتدار کو برقرار اور گرفت کو مضبوط رکھنے کے لئے عوام پر بے پناہ ظلم کر رہا ہے۔ اور دن بدن اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یادداشت میں میر آف ہنزہ پر الزام لگایا گیا ہے کہ وہ پاکستان کے عظیم دوست چین سے تعلقات خراب کرنے اور منافرت پیدا کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ حالانکہ ہنزہ کے عوام چین کی دوستی پر فخر کرتے ہیں۔ جس نے ہر نازک موقع پر پاکستان کا ساتھ دیا۔

اس یادداشت میں کہا گیا ہے کہ حکومت پاکستان عوام کی سماجی، تعلیمی اور معاشی ترقی کے لئے جو مالی امداد دیتی ہے وہ میر آف ہنزہ اور اس کے خاندان کی عیش و عشرت پر خرچ ہو جاتی ہے۔ یہ سلسلہ قیام پاکستان سے اب تک جاری ہے۔ ہنزہ کے عوام آج بھی بیگار کی لعنت کا شکار ہیں۔ میر آف ہنزہ نہ صرف حکومت پاکستان سے حاصل کردہ ٹھیکے کا کام بیگار میں کرواتا ہے۔ بلکہ اپنی ذاتی اور خاندان کی اراضی میں بھی بیگار لیتا ہے۔

ادارہ ترقی ہنزہ کی یادداشت میں بتایا گیا ہے کہ میر آف ہنزہ گوجال اور نشاکی کے علاقوں کے عوام سے ناجائز مالیہ وصول کرتا ہے۔ اور بھاری جرمانہ کرتا ہے۔ گوجال کے علاقے میں مالیہ صرف فصل ہی پر نہیں بلکہ مال، اسباب، مویشی، گھی اور لکڑی وغیرہ پر بھی لیا جاتا ہے۔ میر آف ہنزہ نے ریاست کی آدھی سے زیادہ زرخیز زمین پر قبضہ کر رکھا ہے۔ ان زمینوں کا کچھ حصہ مقامی مزارعین کو بطور کھٹوکل دیا گیا ہے۔ مزارعین سے بیشتر حصہ میر اور اس کے خاندان کے افراد زبردستی وصول کرتے ہیں۔ یادداشت میں کہا گیا ہے کہ میر نے اپنی کچھ زمین بیچ کر خریدار سے رقم وصول کرنے کے بعد دوبارہ زمین پر قبضہ کر لیا۔ میر آف ہنزہ کی چند شکارگاہیں ہیں۔ ان شکارگاہوں میں پورت جھیل بھی ہے۔ جہاں میر بغرض شکار کے لئے سردیوں میں اپنے خاندان اور نوکر چاکروں سمیت جاتا ہے۔ یہاں مظلوم عوام کی لکڑی جلا دیتا ہے۔ اگر لکڑی نہیں ملتی تو کسانوں کے گھروں کے دروازے تک نکال کر جلا دیئے جاتے ہیں۔

یادداشت میں میر آف ہنزہ پر الزام لگایا گیا ہے، کہ حکومت پاکستان ہنزہ کے عوام کے لئے جو راشن سپلائی کرتی ہے وہ راشن میر اپنے حاشیہ برداروں کے ذریعے بلیک مارکیٹ میں فروخت کر دیتا ہے۔

ادارہ ترقی ہنزہ نے مطالبہ کیا ہے کہ ریاست ہنزہ میں بھی تعلیمی، لیبر اور زرعی اصلاحات نافذ کی جائیں۔ کیونکہ ہنزہ پاکستان کا ایک حصہ ہے۔ یہ بھی مطالبہ کیا گیا ہے کہ ہنزہ سے میر کے راج کا خاتمہ کیا جائے۔ اور ہنزہ کے عوام کو وہ تمام شہری حقوق دیئے جائیں، جو پاکستان کے عارضی آئین پر دیئے گئے ہیں۔

حیدرآباد

پراچہ ٹیکسٹائل ملز کا مالک سرکار کی خوشنودی کا طلبگار ہے

محمد نقی

آل بنک ایمپلائز فیڈریشن۔ متحدہ مزدور فیڈریشن پاکستان ورکرز فیڈریشن اور نیشنل لیبر فیڈریشن کے مشترکہ اخباری بیان میں پراچہ ٹیکسٹائل ملز کے مالک حبیب اللہ کے بیان کی شدید مذمت کی گئی جس میں کہا گیا تھا کہ مزدور لیڈروں کو بیرونی ممالک سے رقم ملتی ہے۔ بیان میں کہا گیا ہے — کہ حبیب اللہ جیسے بدنام زمانہ گماشتہ سرمایہ دار جو سامراجی قرضوں اور امداد سے اپنا کاروبار کرتے ہیں، مزدور لیڈروں پر الزام لگانا کوئی تعجب انگیز بات نہیں اس لئے کہ مزدور طبقہ جن استحصالی قوتوں کے خلاف جدوجہد کر رہا ہے حبیب اللہ بھی ان میں شامل ہیں۔ اور ان کا بیان دراصل حکومت کی خوشنودی حاصل کرنا بھی ہے۔ مشترکہ بیان میں خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ لانڈھی کے مزدوروں کی جدوجہد کو دبانے کا مقصد ملک گیر پیمانے پر مزدور تحریک کو کچلنا ہے۔ اس لئے صوبائی حکومت نے معمولی مسائل کو گفت و شنید کے ذریعہ طے کرنے کے بجائے تشدد کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ درجنوں مزدوروں کو اب تک شہید کیا جا چکا ہے۔ اور سینکڑوں کی تعداد میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔ مشترکہ بیان میں ان نام نہاد ترقی پسندوں کی مذمت کی گئی جو دیگر علاقوں میں مزدوروں اور کسانوں کے ہمدرد بنتے ہیں۔ مگر سندھ میں مزدوروں کے قتل عام پر خاموش ہیں۔ بیان میں صوبائی حکومت کے اس رویہ کی بھی مذمت کی گئی کہ کراچی کے مزدوروں کو زبان اور علاقے کی بنیاد پر تقسیم کر کے انہیں آپس میں لڑانا چاہتی ہے تاکہ مزدوروں کو مشترکہ بیان میں مرکزی حکومت کے ان وزیروں سے جو تیرہ کسانوں کی گرفتاری پر سرحد میں مرکزی مداخلت کی دھمکی دے رہے تھے، — پوچھا گیا ہے کہ اب ہزاروں مزدوروں کی گرفتاری اور مزدوروں کے قتل عام پر کیوں خاموش ہیں۔ کیونکہ ظلم ہر جگہ ظلم ہے۔

بیان میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ صوبائی اور مرکزی وزیر محنت کو برطرف کر دیا جائے۔ لانڈھی کے مزدوروں کے مطالبات پورے کئے جائیں۔ تشدد انگیز کارروائیاں بند کی جائیں۔ گرفتار شدہ تمام مزدور لیڈروں اور کارکنوں کو رہا کیا جائے۔ اور وارنٹ گرفتاری منسوخ کئے جائیں۔ مزدوروں کے قتل عام کی عدالتی تحقیقات کرائی جائے۔ ڈی۔ پی۔ آر ختم کی جائے۔ جن کارخانوں میں تالہ بندی کی گئی ہے ان کے مالکان کو گرفتار کیا جائے، اور تمام تالہ بندیاں ختم کی جائیں۔



قارئین کہتے ہیں

مخلص کارکن باہر۔ کنونشنی اندر

پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے، اسمبلیوں کے انتخابات میں جو کردار ادا کیا، پاکستان کی تاریخ میں وہ جداگانہ اور تاریخی اہمیت کا حامل ہے، کارکنوں ہی کی انتھک کوششوں اور شاندار قربانیوں سے غیر متوقع نتائج برآمد ہوتے، اسمبلیوں کے انتخابات کے وقت، ملک پر ایک آمر حکمران ٹولہ مسلط تھا، سرمایہ دار، جاگیردار اور تمام اقسام کے وڈیرے پوری طاقت سے پیپلز پارٹی کے خلاف متحد ہو کر مقابلہ کر رہے تھے، اس کے باوجود انہیں شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اس کا تمام کریڈٹ کارکنوں کو جاتا ہے۔

مفاد پرست سرمایہ دار اور ان کے ایجنٹ، نہ صرف باہر سے پارٹی کے کارکنوں پر حملے کر رہے ہیں۔ بلکہ ان کی ایک اچھی خاصی تعداد پارٹی کے اندر سے پارٹی پر تابڑ توڑ حملے کر رہی ہے۔ ان کی کارکن دشمن سرگرمیوں کا انداز یہ ہے کہ وہ پارٹی کے کارکنوں کو آپس میں لڑا کر انھیں کمزور و بے اثر کر رہے ہیں۔

تجربات شاہد ہیں کہ ہر سطح کے کارکنوں کو ایک تشویشناک صورتِ حال کا سامنا ہے۔ اقتصادی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی بالادستی رکھنے والے، با اثر مفاد پرست ہر سطح پر کارکنوں کو پیچھے دھکیل کر ان کی جگہ یا تو خود سنبھالنے کی فکر میں ہیں، یا اپنی مرضی کے عناصر کو وہاں مقرر کروانے میں کسی نہ کسی صورت کامیاب ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس دولت طاقت، اثر و رسوخ اور دیگر ذرائع وافر مقدار میں موجود ہیں۔ جبکہ کارکن ان کے مقابلے میں غریب اور بے اثر ہیں۔ مفاد پرستوں کی یہ سرگرمیاں بلدیاتی اداروں کے انتخابات جیتنے کے لئے بڑے زور و شور سے جاری ہیں۔ اور اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے، وہ اپنے آدمیوں کو پارٹی میں گھسیڑ رہے ہیں۔ اور خود بھی مال و دولت کے بل پر یا تو پارٹی میں گھسنے کی کوشش کر رہے ہیں یا گھس چکے ہیں۔

ہر شہر کی ذیلی وارڈ کمیٹیوں کی اکثریت پر ان کو کافی اثر و رسوخ حاصل ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ وہ کارکن جو اسمبلیوں کے انتخابات کے وقت پارٹی میں موجود تھے، ان کی اکثریت یا تو خاموشی اختیار کر چکی ہے یا الگ تھلگ ہو گئی ہے، اور جو باقی رہ گئے ہیں وہ اضطراب اور کشمکش سے دوچار ہیں۔

بلدیاتی اداروں کے انتخابات اور پارٹی کے متوقع اندرونی انتخابات میں پرانے کارکنوں کو ان مفاد پرستوں سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ جبکہ ان میں وہ قوت موجود نہیں رہی۔ ظاہر ہے کہ الیکشن کا اب وہ انداز نہ ہوگا جو اسمبلیوں کے انتخابات کے موقع پر تھا۔ اس لئے کہ حکومت میں تبدیلی آچکی ہے۔ اور اب الیکشن جیتنے کے لئے، جن لوازمات کی ضرورت پڑیگی وہ عام کارکنوں کے پاس نہیں ہیں۔ ایسی حالت میں اگر انتخابات کروائے گئے تو بلدیاتی اور پارٹی کے اندرونی انتخابات میں کیسے لوگ سامنے آئیں گے، اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ایک مخلص سرگرم لیکن غریب کارکن، ایک امیر آدمی کے مقابلے میں، ٹی پارٹی، ڈنر یا لنچ نہیں دے سکتا۔ نہ ہی اسمیں اتنی سکت ہو سکتی ہے، کہ وہ مالدار افراد سے مقابلے کے لئے میدان میں نکلے۔ اس کے لئے محفوظ راستہ خاموشی ہے۔

بلدیاتی اداروں کے انتخابات کب ہوں گے ابھی حکومت نے اعلان نہیں کیا۔ لیکن پارٹی میں موجود الیکشنی لیڈروں نے اپنا راستہ ہموار کرنے کے لئے کارکنوں کا سیاسی قتلِ عام شروع کر رکھا ہے۔ خاص طور پر ایسے کارکنوں کو راستے سے ہٹانے کے لئے منظم سازشیں ہو رہی ہیں۔ جن کو عوام میں مقبولیت حاصل ہے۔ اور مقصد کے حصول کے لئے وہ تمام گھناؤنے ہتھکنڈے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ جو کہ ماضی میں بدنام سیاستدان کرتے آئے ہیں۔

پیپلز پارٹی ایک عوامی جماعت ہے، جس میں کسان مزدور محنت کش غریب اور مفلوک الحال عوام شامل ہیں۔ کارکن قائدِ عوام پر مکمل بھروسہ رکھتے ہوتے تن من دھن سے ان کے وفادار ہیں۔ لیکن مفاد پرست لوگ پارٹی کی قیادت اور کارکنوں کے درمیان ایک منظم سازش کے تحت غلط فہمیاں اور نفرت پھیلا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ایسی ایسی شرمناک فرضی داستانیں بھی سننے میں آئی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اعلیٰ قیادت سے بعد ادب التماس ہے کہ اس کا کوئی مناسب حل سوچا جائے۔ اور کارکنوں کو کچلنے کی سازشوں کو ناکام بنا کر کارکنوں کو مفاد پرستوں کی چیرہ دستیوں سے نجات دلائی جائے۔

ڈاکٹر صغیر کامران (راولپنڈی)

ڈان کی انتظامیہ ہاکروں کے اتحاد کو ختم کرنا چاہتی ہے صفحہ ۳۱ سے آگے

کو ختم کرنے کے لئے ہمیں مختلف ٹکڑیوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی۔ ہمیں سب کچھ دیکھنا پڑتا تھا ان کے ملازمین کی باتیں سُننا پڑتی تھیں لیکن اپنے منہ سے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ ورنہ کاروبار تباہ کر دیا جاتا۔

نواب صاحب نے کچھ اپنا واقعہ بتاتے ہوتے کہا کہ جب مجھے صدر منتخب کیا گیا تو اس کے جواب میں میرا کیبن پی آئی بی کالونی میں تھا اکھاڑ دیا گیا جبکہ میں سوسائٹی کو اس جگہ کے پیسے بھی دیتا تھا۔ لیکن ہم نے اور ہمارے ساتھیوں نے ان تمام حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اسی دوران لاہور کی انجمن کے بزرگ صدر چوہدری رشید صاحب تشریف لائے۔ ان کی صدارت میں ہم نے انجمن اخبار فروشاں بنائی۔ اور محمد یوسف صاحب اس کے کنوینر مقرر ہوئے۔ لیکن جب انتخابات کا موقع آیا تو مالکان اور اخبارات کے ایجنٹوں نے سازش کے ذریعے ان کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے ہمیں جدوجہد کے راستہ سے آگاہ کیا۔ اور ہم نے اپنی تنظیم کے انتخابات کرائے اور ڈان کی انتظامیہ کے سامنے اپنے مطالبات رکھے۔ انھوں نے بڑی کامیابی سے ہمیں ٹالنے کے لئے کہا کہ آپ کی تین یونین ہیں ہم کس طرح آپ سے معاہدہ کر سکتے ہیں۔ ہم نے بھی سنجیدگی سے اس مسئلہ کو سمجھا اور لاہور کے ساتھیوں کی موجودگی میں تمام ہاکر یونین کے نمائندوں کا اجتماع ہوا اور اس سلسلہ میں مشترکہ جدوجہد کرنیکا فیصلہ ہوا اور ۲۳ مارچ ۷۱ء کو تمام پریس مالکان اور ہماری انجمن کے مابین ایک معاہدہ ہوا جس میں یقین دلایا کہ وہ ہمیں فنڈ بھی دیں گے۔ لیکن لاہور کے ساتھیوں کے جانے کے بعد وہ اپنے وعدوں سے بالکل پھر گئے۔ پھر بھی ہم نے بڑے نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا۔ اور بجائے اس کے کہ فنڈ کے معاملے میں الجھتے اپنے کمیشن کا دیرینہ مطالبہ دہرایا لیکن ڈان کی انتظامیہ نے کہا کہ اس وقت ہمارے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ ہمیں کچھ وقت دیں ہم آپ کے مطالبات مان لیں گے۔ اس کے بعد موجودہ حکومت برسرِ اقتدار آئی، ہم نے پھر اپنے مطالبات انتظامیہ کے سامنے رکھے۔ اس نے ملکی حالات کا فرار دیا اور ہمارا منہ حب الوطنی کے نعرے بند کرانے کی کوشش کی۔ ہم نے بھی حالات کو دیکھتے ہوئے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ اسی دوران انھوں نے اخبارات کی قیمت بھی بڑھا دی۔ پہلے ہی ہمیں ڈان دوسرے اخبارات سے چار پیسے زیادہ ادا کر کے

لینے پڑتے تھے۔ اس کی بنا پر گاہکوں میں بھی کمی آئی لہٰذا ہم نے رمضان کے مہینے میں تمام ہاکر ساتھیوں کو بلایا اور فیصلہ کیا کہ اگر ہمارے مطالبات نہ مانے گئے تو ہم ۲۵ر اکتوبر سے ڈان کا مکمل بائیکاٹ کریں گے۔ انہوں نے رونا رو دیا تو ہم نے ایک موقع اور دیدیا اور ۲۵ر اکتوبر کو تھیوسوفیکل ہال میں اخبار فروشوں کا جلسہ ہوا۔ اس دوران ڈان کی انتظامیہ سے ہمارے مذاکرات ہوتے رہے اقبال منجل نے ہم سے ۴۸ گھنٹے کی مہلت مانگی ہم ان کی بات مان گئے لہٰذا جب ہم مقررہ وقت پر پہنچے تو پتہ چلا کہ موصوف بیماری کا بہانہ کرکے جا چکے ہیں۔ مینجنگ ڈائریکٹر ضیاء محمود نے لیٹر پیڈ پر لکھ کر کہا کہ ایک دن کی مہلت دیں۔ ہم آپ کے مطالبات کل ۱۶ر نومبر کو مان لیں گے۔ ۱۶ر نومبر کو مذاکرات کے لئے پہنچے تو پولیس سے ہمارا استقبال کرایا گیا۔ ضیاء محمود نے ملنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمارا اخبار ایجنٹ بیچتا ہے ہاکر نہیں۔ ہمارے نوجوان ساتھیوں کو اس پر بڑا غصہ آیا۔ اقبال منجل نے کہا کہ ہم تو مذاق سمجھ رہے تھے اب آپ پندرہ روز اور دیں تاکہ ہم اپنی ہائی کمان سے بات کر سکیں۔ ہم ان چکروں سے عاجز آچکے تھے لہٰذا ہم نے ۱۹ نومبر سے ڈان کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا اور وہ آج سے شروع ہو چکا ہے۔ ۲۰ر نومبر سے دوسرے شہروں کے اخبار فروش بھی ہمارے مطالبات کی حمایت میں اخبار ڈان کا بائیکاٹ کر دیں گے۔ اور ہماری تحریک مطالبات کی تکمیل تک جاری رہے گی۔

بقیہ: مشین ٹول فیکٹری

کی صلاحیت رکھتا ہے۔

مشین ٹول کے مسئلہ پر صوبائی وزیر محبت عبدالستار گبول کا کردار انتہائی مکروہ اور پُرفریب رہا۔ اس مزدور دشمن وزیر نے مجھے اور سائٹ کے مزدور نمائندوں کو اسمبلی ہال میں بلوا کر گرفتار کروا کے سرمایہ داروں اور افسر شاہی کے ایجنٹ اور وفادار نوکر ہونے کا ثبوت فراہم کیا اور اپنی وزارت پکی کرلی ہے۔ اس بدنیت وزیر نے پی آئی ڈی سی کی انتظامیہ سے سودے بازی کی کوشش کی اور سینکڑوں مزدوروں کو بے روزگار کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن کراچی کی مزدور برادری اب اس کے چہرے کو اچھی طرح سے پہچان گئی ہے۔

مشین ٹول اور دیگر عوامی اداروں میں فوجی انتظامیہ کو تعینات کرنے کا رواج انتہائی مزدور دشمنی ہے۔

ہمارا مطالبہ ہے کہ تمام اداروں سے فوجی انتظامیہ کو ہٹا کر اس کے انتظام میں مزدوروں کو شامل کیا جائے

بقیہ: یحییٰ کی وکالت

اور غدار ٹولے کو ایسی عبرتناک سزائیں ملیں کہ آئندہ کسی بھی "مہم جو" کو اس قسم کی گھناؤنی سازش کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔

اگر کسی وجہ سے ان "ننگِ وطن" غداروں کو سزا نہ ملی تو ملک کی ساکھ کو شدید دھچکا لگے گا۔ ملک کی ساکھ کو نقصان پہنچے گا۔ قانون کا رعب اور دبدبہ ختم ہو جائے گا۔ دنیا یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گی کہ اس ملک کا کوئی اصول نہیں۔ اس ملک میں کوئی انصاف نہیں کہ اس ملک کی ہر حکومت اپنی پیش رو حکومتوں کی طرح "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے مصداق ہی چل رہی ہے۔ یہاں کا تعلیم یافتہ طبقہ بھی، سوڈا واٹر کی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا ہے۔ اور بری طرح چپ سادھے ہوئے ہے۔ اور اس اہم معاملہ کو، کوئی اہمیت نہیں دے رہا۔ اگر یحییٰ خاں اور اس کے رنگیلے ٹولے کو سزا نہ ملی تو باہر کی دنیا یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گی۔ کہ اس ملک میں تعزیریں صرف محب وطن لوگوں کے لئے ہیں۔ غداروں کے لئے کوئی سزا نہیں۔ غداروں کا مقام "شاہی قلعہ" لاہور نہیں بلکہ ایسے عالی شان بنگلے ہیں، جن میں زندگی کی ہر عیاشی میسّر ہے۔

بقیہ: بلوچستان میں کیا ہو رہا ہے

حکومت نے اپنی پوری توجہ کسان پارٹی کے صدر میر عبدالکریم بزنجو کی گرفتاری پر صرف کردی۔ آخرکار ۳ر اکتوبر ۱۹۷۲ء کو کراچی سے گرفتار کرلئے گئے۔ انھیں بلوچستان لایا گیا ایک ہفتہ خضدار جیل میں رکھا گیا اور آج کل وہ سب تحصیل مستنگ ضلع قلات کی جیل میں ہیں۔ اب تک انھیں کسی عدالت کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔

کسانوں پر ظلم کا سب سے پہلے طلباء کو احساس ہوا اور بی۔ ایس۔ او (اینٹی سردار) نے باقاعدہ طور پر ان کے ساتھ دیگر ظالم سرداروں کے خلاف جدوجہد کرنے کا اعلان کردیا۔ کسانوں کی گرفتاری سے بلوچستان کے عوام کے دلوں میں سرداروں کے خلاف انتقام کے جذبات بھڑک اٹھے ہیں۔

کسانوں پر ظلم کرنے کے ساتھ ساتھ نیپ کی حکومت نے طلبہ کو بھی تعلیم جیسی نعمت سے محروم کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اور کالجوں میں لڑکوں کے اسکالرشپ بند کر دیئے گئے۔ حالانکہ اس سے قبل بلوچستان کے کالجوں میں ہر لڑکے کو ۸۰ روپے ماہوار وظیفہ ملا کرتا تھا۔ اور بلوچستان کے ۹۹ فیصد طلبہ اسی اسکالرشپ پر گزارہ کرکے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ حکومت بلوچستان (جو سرداروں پر مشتمل ہے) نے سوچا ہے کہ اگر طلبہ کے وظیفے بند کر دیئے جائیں تو یہ آگے نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ اور نہ ہی تعلیم حاصل کرکے وہ اس قابل ہوں گے کہ سرداروں کے خلاف آواز بلند کر سکیں۔ اسی لئے اس سال سوائے چند لڑکوں کے باقی تمام لڑکوں کو وظیفہ نہیں دیا گیا۔ اس بارے میں گورنمنٹ کالج خضدار کے طلبہ کے ایک وفد نے گورنر بزنجو سے ملاقات کی تو انھوں نے اسے صاف جواب دیدیا کہ "میں اس سے زیادہ طلبہ کو وظیفہ نہیں دے سکتا ہوں۔ وفد کے ارکان نے غریب طلبہ کی مالی مشکلات کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ "اگر تم لوگ اپنے خرچ پر نہیں پڑھ سکتے ہو تو کوئی ملازمت اختیار کرو۔ جس طرح ہم اپنے بچوں کو اپنے خرچ پر پڑھاتے ہیں اسی طرح تمہارے والدین بھی اپنے خرچ پر پڑھائیں"۔

گورنر بلوچستان کا یہ موقف دراصل بلوچستان کے عوام کے خلاف ایک گہری سازش ہے۔ کیونکہ ان کو یہ بخوبی علم ہے کہ بلوچستان کے عوام جو دو وقت کی روٹی کے لئے ترستے ہیں وہ تعلیم کے بھاری اخراجات کہاں سے برداشت کریں گے"۔

اب بلوچستان کے عوام سرداروں کی اس حکومت کے خلاف ہیں۔ کیونکہ آج تک انھوں نے غریب عوام کیلئے کچھ نہیں کیا ہے۔ نیپ کی مقبولیت روز بروز گرتی جا رہی ہے۔ لوگ اب بیدار ہو چکے ہیں۔ ہر طبقہ کے لوگوں میں اب شعور بیدار ہو گیا ہے۔ مظلوم عوام نے سمجھ لیا ہے کہ سردار ہمیں ہر طرح سے اپنے استحصالی چنگل میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر نیپ کی گورنمنٹ کو اپنا اقتدار بچانا مقصود ہے تو سب سے پہلے ٹشک کے خاتمے کا اعلان کرے اور طلبہ کو ماہوار وظیفہ دے۔ ورنہ اسکی گورنمنٹ اگلے انتخابات سے پہلے پہلے ختم ہو جائے گی۔ کسان اور عوام متحد ہو رہے ہیں۔ اور وہ خود انحصاری اور خود اعتمادی کے اصولوں پر عمل کرتے ہوتے آگے بڑھ رہے ہیں ——

حلقۂ قارئینِ "الفتح"

- آپ "الفتح" پڑھتے ہیں
- آپ کے علاقے میں کچھ اور لوگ بھی الفتح پڑھتے ہیں
- آپ آپس میں مل کر ان موضوعات پر تبادلۂ خیال کرتے ہوں گے۔
- آپ اپنے علاقے کے مسائل پر بھی آپس میں گفتگو کرتے ہونگے، کچھ تجاویز بھی آپکے ذہن میں آتی ہونگی۔
- کیا آپ باقاعدگی سے اپنے اپنے علاقے میں مہینے میں ایک بار یا دو بار نہیں مل سکتے۔؟ پھر ہمیں لکھیں کہ آپ نے کیا سوچا، کیا بحث کی، کیا تجاویز پیش کیں۔
- اس طرح مختلف علاقوں کے مسائل اور ان پر اپنے ہم خیال دوستوں کی سوچ بھی سامنے آئے گی۔

ہم پھر سب مل جل کر پورے ملک کے مسائل پر بھی کچھ سوچ سکیں گے اور کچھ رائے قائم کر سکیں گے۔

- ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ "الفتح" کے مرکز سے کوئی صاحب آپ کے حلقے سے تبادلۂ خیال کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں آئیں۔
- آپ کا اس تجویز کے بارے میں کیا خیال ہے؟
- کیا ملک کی سلامتی، عوام کی بہتری، غریب و مفلس عوام کے حقوق کے حصول کیلئے "الفتح" کے قارئین اس طرح ایک ٹھوس اور فعّال کردار انجام نہیں دے سکتے؟
- اپنی سوچ سے مطلع کرنے کے لئے ہمیں لکھیے۔

انچارج حلقۂ قارئین "الفتح"

ہفت روزہ "الفتح"، ۸۷ - ڈی، نرسری - کمرشیل ایریا کراچی ۲۹ - فون: ۴۱۲۲۷۴

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
23- 30. Nov. 1972.

کل اور آج



پیپلز پارٹی کے دور میں
مشین ٹول فیکٹری کے رہنما۔



یحییٰ فوجی آمریت کے دور میں داؤد کاٹن ملز
لیبر یونین کے جنرل سیکرٹری عزیز الحسن